# ہمارے عقائد



مصنف
آیت اللہ العظمیٰ آقائے حاج شیخ ناصر مکارم شیرازی

مترجم
حجۃ الاسلام علامہ الطاف حسین کلاچی

# ہمارے عقائد

مؤلف

آیت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی مدظلہ العالی

مترجم

حجۃ الاسلام علامہ الطاف حسین کلاچی

مصحح

حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری فاضل قم

— ناشر —

ادارہ منہاج الصالحین

جناح ٹاؤن، ٹھوکر نیاز بیگ، لاہور

فون: 35425372

نام کتاب : ہمارے عقائد

مؤلف : آیت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی

مترجم : حجۃ الاسلام علامہ الطاف حسین کلاچی

مصحح : حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری فاضل قم

پروف ریڈنگ : عمران چودھری

ہدیہ : [redacted] روپے

ملنے کا پتہ

ادارہ منہاج الصالحین ۔ لاہور

الحمد مارکیٹ فسٹ فلور دکان نمبر 20۔ غزنی سٹریٹ۔ اُردو بازار۔ لاہور

فون: 042-37225252 ، 0301-4575120

# ترتیب

# مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بنیادی عقائد و افکار ایک بامقصد اجتماعی و سیاسی نظام کی اساس ہوتے ہیں۔ یہ عقائد انسانی کردار و اخلاق کو سنوارنے میں سو فی صد موثر ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے اسلام کی بامقصد نظام کی بنیادوں کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے عقیدتی نظام کو قلوب میں راسخ و اُستوار کرنا ضروری ہے تاکہ ہمیشہ مثبت نتائج حاصل ہوسکیں اور دنیوی و اُخروی کامرانی مقدر بن سکے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی مفکرین نے آغازِ اسلام سے ہی اسلامی عقائد کو مختلف اسلوب اور شکل وصورت میں بیان کیا اور علمائے علمِ کلام نے اس سلسلہ میں مختلف کتابیں لکھیں۔ اس دور میں بھی نئے شکوک وشبہات کے پیدا ہونے کی وجہ سے مختلف کتابیں معرضِ وجود میں آئیں۔ ان کتابوں کی ایک قسم نہایت سادہ اور زیادہ سے زیادہ توضیحات پر مشتمل ہے اور دوسری قسم پیچیدہ اصطلاحات اور سنگین عبارتوں پر مشتمل ہے۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ عقائد پر ایک مختصر کتاب ہونی چاہیے کہ جس کا پڑھنا اور سمجھنا آسان ہو۔ اس مقصد کے لیے ادارہ منہاج الصالحین لاہور کے سربراہ حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری فاضلِ قم نے آیت اللہ العظمیٰ مکارم شیرازی کی کتاب "ہمارے عقائد" کا انتخاب کر کے اُسے نشر کیا،

تا کہ اس مختصر رسالے سے استفادہ کیا جا سکے۔

عظیم فقیہ آیت اللہ العظمیٰ آقائے ناصر مکارم شیرازی دامت برکاتہٗ نے اپنے اس رسالہ کی ابتداء میں لکھا:

> "میں نے اس رسالہ کو سفرِ بیت اللہ کے دوران لکھا اور اِسے مرتب کیا اور بعد میں علمائے کرام کی مجالس میں اُن کے حضور پیش کیا"۔

اس بات نے کتاب کی جامعیت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ فقیہ معظم آیت اللہ العظمیٰ آقائے ناصر مکارم شیرازی کی ذات محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ آپ حوزہ علمیہ قم المقدسہ ایران کے ایک عظیم فقیہ اور استاذ ہیں۔ آپ کی تصنیفات و تالیفات میں سے مشہورِ زمانہ تصنیف تفسیر نمونہ اور تفسیر موضوعی ہیں۔

ہم اس وقت جس دور میں رہ رہے ہیں اور جس ملک کے باسی ہیں اِس زمانے اور اس ملک میں ہمیں بہت سے چیلنجوں کا سامنا ہے۔ نیٹ کا زمانہ ہے، دنیا گلوبل ویلج (Global Village) بن چکی ہے۔ لیکن ہمارے بشر کا کچھ اور حال ہے۔ وہاں جو لوگ مسلط ہیں انھیں پتا ہی نہیں ہے کہ قرآنی اور اسلامی عقائد کیا ہیں؟ عوام کالانعام ہیں۔ یہ لوگ اُن کے جذبات سے کھیل کر اسلام اور قرآن سے دُور کرتے چلے جاتے ہیں اور انھیں پتا بھی نہیں ہوتا کہ اُن کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ اُن کا ایمان باقی رہا ہے یا چھین لیا گیا ہے۔ مشرکانہ تقاریر ریکارڈ کر کے نیٹ پر بھیج دی جاتی ہیں اور ہمارا عیار دشمن اپنے نوجوانوں کو شیعہ منبر کے مقرر کی مشرکانہ تقاریر دکھاتا ہے اور کہتا ہے کہ دیکھیں کہ یہ شیعوں کا رہبر ہے اور اُس کا یہ عقیدہ ہے جو قرآن کے خلاف ہے اور رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہے۔

اس طریقے سے شیعیانِ حیدرِ کرّار کے خلاف نفرت بڑھانے کا موقع مل جاتا ہے۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ گھر گھر ہر بچے، جوان اور بوڑھے تک عقائد کی کتب پہنچائی جائیں اور اُنھیں عقائد کے مطالعہ کی دعوت دی جائے تاکہ لوگوں کے عقائد مضبوط ہوں۔ جب عقائد صحیح ہوں گے تو ایمانی سفر بھی آسان ہوگا اور دینی و دنیاوی کامیابیاں بھی حاصل ہوں گی اور دشمن کے فریب سے حفاظت کا سامان ہو سکے گا۔

جس طرح ہر گھر میں قرآنِ مجید، حدیث شریف، نہج البلاغہ اور صحیفۂ کاملہ کا ہونا ضروری ہے اس طرح عقائد کی کتب کا ہونا بھی ضروری ہے تاکہ گھر کے تمام افراد عقائد کا مطالعہ کر کے اپنے عقیدے کو پختہ کر سکیں۔

علامہ ریاض حسین جعفری صاحب قبلہ بانی ادارہ منہاج الصالحین پاکستان کا مشہور و معروف ادارہ ہے جس کی علمی و روحانی، ملی و دینی خدمات محتاجِ تعارف نہیں ہیں۔ بارگاہِ ایزدی میں دُعا ہے کہ اس ادارے کو مزید دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور ادارے کے بانی حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ ریاض حسین جعفری صاحب کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے اور اُن کی نصرت فرمائے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

**الطاف حسین کلاچی**

# عرضِ مؤلف

① ہم اس موجودہ دور میں عظیم الشان تبدیلیوں کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ ان تبدیلیوں اور انقلابات کا سرچشمہ آسمانی اَدیان میں سے ایک عظیم الشان دین، دینِ اسلام ہے۔

ہمارے زمانے میں دینِ اسلام نے کائنات کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ مسلمانانِ عالم خوابِ غفلت سے بیدار ہو چکے ہیں۔ اُن کی خوابیدگی بیداری میں بدل چکی ہے۔ وہ اپنے حقیقی مرکز و محور کی طرف مراجعت کر رہے ہیں، کیونکہ وہ گذشتہ اَدوار میں مشکلات کا شکار رہے ہیں۔ اُنھوں نے مشکلات سے نکلنے کے لیے ہر طرف ہاتھ پیر مارے، آخر وہ اس نکتے پر پہنچے کہ اُن کی مشکلات کا حل اگر ہے تو اسلام کے تناور اور گھنے باثمر شجر کے شیریں سائے میں ہے۔

اب وہ شجرِ اسلام کے زیرِ سایہ کامیاب زندگی گزارنے کے آداب سیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اِس انقلاب کا سبب کیا ہے؟

جی ہاں! یہ ایک الگ وسیع و عریض موضوع ہے۔ جو چیز یہاں اہم ہے وہ اِس نکتے کا صاحبِ نظر ہونا ہے کہ اس عظیم انقلاب سے دنیا منقلب ہو رہی ہے، چاہے وہ اسلامی ممالک ہوں یا غیر اسلامی ممالک۔ دنیا کی نگاہ اِس بات پر ہے کہ اسلام کیا چاہتا ہے؟ اور عالم کے لیے اُس کے دامن میں کون سا پیامِ نَو ہے؟

ان نازک حالات میں ہماری سب سے عظیم ذمہ داری یہ ہے کہ اسلام کا تعارف اس سلیقے اور طریقے سے کرائیں کہ جس طرح وہ ہے۔ اس تعارف میں کسی قسم کا تکلف وتصنع نہ ہو۔ یہ تعارف بھرپور وضاحت اور عام فہم ہونا چاہیے۔ اس وقت اسلام اور اسلامی مذاہب سے آگاہی کی جو تشنگی عوام الناس میں پائی جاتی ہے اُسے دُور کریں اور کسی کو اس اَمر کی اجازت نہ دیں کہ وہ ہماری جگہ لے لیں اور ہمارے فیصلے وہ اپنے ہاتھ میں لے لیں۔

اس امر سے مفر نہیں ہے کہ جس طرح دوسرے اَدیان میں فرقے ہیں اس طرح دینِ اسلام میں بھی فرقے ہیں۔ ہر فرقہ اپنے نظریات اور خصوصی مسائل کا حامل ہے لیکن یہ اختلافات اس حد تک بھی نہیں ہیں جو باہمی خلفشار کا سبب بنیں یا تعلقات وتعاون کے راستوں کی رکاوٹ بنیں بلکہ وہ باہمی تعاون اور تعلقات کے ذریعے مشرق ومغرب سے اُٹھتے ہوئے طوفانوں کے مقابلے میں اپنے وجود کا تحفظ کر سکتے ہیں اور وہ اپنے مشترکہ دشمن کی سازشوں کو روک سکتے ہیں۔

اس یگانگت کو وجود میں لانے اور اُسے منظم ومستحکم کرنے کے لیے یقینی طور پر چند ضوابط اور کلیات کی پاسداری کی ضرورت ہے۔ ان میں سے سب سے زیادہ اہم یہ ہے کہ تمام اسلامی مکاتب ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھیں، تاکہ ہر ایک کی خصوصیات دوسرے مکاتبِ فکر کے لیے واضح ہوں اور پیدا ہونے والی بدگمانیوں کا خاتمہ ہو اور تعاون کے راستے ہموار ہوں۔

باہمی شناخت کا سب سے بہترین ذریعہ یہ ہے کہ ہر مکتبِ فکر کے نزدیک اسلام کے اصول وفروع سے متعلق نظریات اور اُس کے نامور اور جید علماء سے

حاصل کیے جائیں۔ کیونکہ اگر اِس سلسلے میں نا آگاہ لوگوں سے رابطہ کیا جائے یا کسی مکتب کے عقائد اُس کے دشمنوں سے دریافت کیے جائیں تو مقصد تک رسائی کی راہیں مسدود ہو کر رہ جائیں گی اور باہمی افہام و تفہیم، جدائی اور بے اعتمادی میں تبدیل ہو جائے گا۔

۲ مذکورہ بالا دونوں نکات کی اساس پر ہم نے یہ عزم کیا کہ اسلامی عقائد کے پیشِ نظر اُصول و فروع میں مذہب شیعہ کی خصوصیات کا تذکرہ کرنے کے لیے ایسی تصنیف وجود میں لائیں جو درج ذیل خصوصیات پر مشتمل ہو:

① تمام ضروری مطالب کی تلخیص پیش کریں، جو صاحبانِ تحقیق کے شانوں سے متعدد کتب کے مطالعہ کا بوجھ کم کردیں۔

② مطالب صاف وشفاف اور واضح ہوں۔ اُن میں کسی قسم کا ابہام نہ ہو۔ یہ بات بھی پیش نظر رہی ہے کہ اُن علمی اصطلاحات کو بھی استعمال نہ کیا جائے جو علمی ماحول اور دینی علوم کے مراکز میں استعمال ہوتی ہیں۔ اِن باتوں کا بھی خیال رکھا گیا ہے کہ یہ کام ان علمی بحثوں کو سطحی بنانے کا سبب نہ بنے۔

③ اس کتاب میں ہمارا مقصود عقائد کا تذکرہ ہے۔ دلائل کا بیان نہیں ہے لیکن بعض مقامات پر جہاں عقلی دلائل اور کتاب و سنت کی ضرورت محسوس ہوئی تو وہاں عقلی و نقلی دلائل سے کام لیا گیا ہے۔

④ ہر قسم کے تکلف اور تصنع اور پردہ پوشی سے اجتناب کیا گیا ہے، تاکہ حقائق اُس انداز میں بیان ہوں جس طرح وہ ہیں۔

⑤ تمام مکاتب فکر کے احترام کے سلسلے میں قلم کے تقدس اور عفت کو تمام

ابحاث میں ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

موجودہ کتاب جو مندرجہ بالا نکات پر مشتمل ہے بیت اللہ الحرام کے مقدس سفر کے دوران لکھی گئی ہے۔ بعدازیں متعدد نشستوں میں چند علماء کے ساتھ اس پر بحث کی گئی۔ پھر جا کر کہیں یہ کتاب پایۂ تکمیل تک پہنچی۔

ہم اُمید کے دامن سے وابستہ ہیں کہ مذکورہ بالا جن اہداف کا تذکرہ ہوا ہے اُن کے حصول کے لیے یہ کتاب فائدہ مند اور نفع بخش ثابت ہوگی اور سرمایۂ آخرت ٹھہرے گی۔

بارگاہِ خداوندی میں دست بہ دُعا ہیں:

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ○ (سورہ آل عمران: آیت ۱۹۳)

"اے ہمارے رب! ہم نے ایک ندا دینے والے کو سنا جو ایمان کی دعوت دے رہا تھا۔ اپنے پروردگار پر ایمان کی دعوت دے رہا تھا۔ اپنے پروردگار پر ایمان لے آؤ تو ہم ایمان لے آئے۔ تو اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں سے درگزر فرما اور ہماری خطاؤں کو دُور فرما اور نیک لوگوں کے ساتھ ہمارا خاتمہ فرما"۔

ناصر مکارم شیرازی
مدرسہ الامام المومنین، قم
محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

## پہلا باب

# توحید اور خدا شناسی

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو تخلیق فرمایا ہے اور وہی اس کا خالق ہے۔ اس کی عزت و عظمت اور قدرتِ کاملہ کائنات کی تمام موجودات کی جبین پر ظاہر و باہر ہے۔ یہ آثار خود ہمارے وجود، حیوانات و نباتات، کرات سماوی اور عالمِ بالا میں غرضیکہ ہر جگہ واضح و نمایاں ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ موجوداتِ عالم کے اُسرار ہیں۔ ہم جس قدر دِقت سے کام لیں اُس قدر اُس مقدس ذات کی عظمت، اُس کے علم و قدرت کی وسعت سے آگاہ و آشنا ہوتے جائیں گے۔ آئے روز علم و دانش کی ترقی کی بدولت اُس کے علم اور حکم کے جدید ترین ابواب ہم پر کھلتے جاتے ہیں۔ یہ علوم ہمارے افکار کو جدت عطا کرتے ہیں اور جلا بخشتے ہیں۔ یہی افکار اس ذاتِ حق سے ہمارے والہانہ عشق و علاقہ کا سرچشمہ ثابت ہوں گے اور لحہ بہ لحہ اس ذاتِ اقدس سے ہمارے قرب و وصال کا باعث بنیں گے، نیز اُس کے جلال و جمال کے نُور میں غرق ہونے کا سبب ہوں گے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ ○ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ○ (سورۂ ذاریات: آیت ۲۰-۲۱)

"اور زمین میں اہلِ یقین کے لیے نشانیاں ہیں اور خود تمھاری ذات میں بھی، تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟"

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ○ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (سورۂ آل عمران: آیت ۱۹۰-۱۹۱)

"بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات اور دن کے بدلنے میں صاحبانِ عقل کے لیے نشانیاں ہیں اور جو اٹھتے بیٹھتے اور اپنی کروٹوں پر لیٹتے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کی خلقت میں غور وفکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمارے پروردگار یہ سب کچھ تو نے بے حکمت نہیں بنایا"۔

## جمالی و جلالی صفات

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب ونقص سے پاک و پاکیزہ اور تمام کمالات کا مجموعہ ہے بلکہ وہ کمالِ مطلق ہے اور مطلق کمال ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس عالم میں ہر قسم کے کمال و جمال کا سرچشمہ اُس کی ذات ہی ہے۔

قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ

اللہِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ○ ھُوَ اللہُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ
لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی یُسَبِّحُ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○ (سورۂ حشر: آیت ۲۲ تا ۲۴)

"وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ غیب و شہود کا جاننے والا ہے۔ وہی رحمٰن و رحیم ہے۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ غیب و شہود کا جاننے والا ہے۔ وہی رحمٰن و رحیم ہے۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی بادشاہ ہے جو نہایت پاکیزہ، سلامتی دینے والا، امان دینے والا، نگہبان، بڑا غالب آنے والا، بڑی طاقت والا، کبریائی کا مالک، پاک ہے اللہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں"۔

## لامحدود و لامتناہی ذات

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر لحاظ سے لامتناہی و لامحدود ہے۔ وہ علم و قدرت کے لحاظ سے اور اپنی اَزلیت و اَبدیت کے لحاظ سے لامتناہی ہے۔ وہ اَزل سے ہے اور اَبد تک ہے۔ اُسے کسی اعتبار سے محدود نہیں کیا جاسکتا۔ زمان و مکان اُس کا احاطہ نہیں کرسکتے کیونکہ زمان ہو یا مکان اُس کی حدود ہیں جو محدود ہے وہ لامحدود کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ وہ ہر جگہ موجود ہے اور ہر زمانے میں موجود ہے۔ اُس کی ذات زمان و مکان سے ماورا ہے۔

ارشادِ پروردگار ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ○ (سورۂ زخرف: آیت ۸۴)

"اور وہی اللہ ہے جو آسمانوں میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے اور وہ بڑا حکمت والا، خوب جاننے والا ہے"۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ○ (سورۂ حدید: آیت ۴)

"تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس پر خوب نگاہ رکھنے والا ہے"۔

اُسی ذات کا خطاب ہے:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (سورۂ قٓ: آیت ۱۶)

"اور ہم اُس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں"۔

جی ہاں! وہ ہم سے زیادہ ہمارے نزدیک و قریب ہے۔ وہ ہماری روح کے اندر ہے۔ وہ ہر جگہ موجود ہے، لیکن لامحدود ہے۔ وہ مکان و مکانیات سے بے نیاز ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ○ (سورۂ حدید: آیت ۳)

"وہی اوّل ہے اور وہی آخر ہے۔ نیز وہی ظاہر اور وہی باطن

ہے اور وہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے"۔

جب ہم قرآنِ مجید کی آیات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے تشریح طلب کلمات آتے ہیں۔ جیسے سورۂ بروج کی آیت ۱۵ میں ہے: (ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ) یعنی وہ صاحبِ عرش اور صاحبِ عزومجد ہے، یہاں عرش سے مراد شاہی تخت نہیں ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہو رہا ہے:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ○ (سورۂ طٰہٰ: آیت ۵)

"خدائے رحمٰن عرش پر ٹھہرا ہوا ہے"۔ ①

ان کلمات کا معنٰی و مفہوم ہرگز یہ نہیں ہے کہ اُس کے لیے کوئی جگہ یا مقامِ مخصوص ہے بلکہ اِن سے مراد اُس کی اس مادی دنیا اور اُخروی کائنات پر حکمرانی و فرمانروائی ہے۔ اگر ہم اس کے لیے کسی خاص مقام کے قائل ہوں تو گویا ہم نے اُسے محدود کر دیا کہ وہ بھی اس طرح ہے کہ جس طرح مخلوق ہے کیونکہ مخلوق مقام و جگہ کی محتاج ہے، لیکن خداوند تعالٰی محدود نہیں ہے۔ وہ کسی جگہ کا محتاج نہیں ہے۔

وہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ہے، "یعنی کوئی چیز اس جیسی نہیں"۔ (سورۂ شوریٰ: آیت ۱۱)۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ "اس کا کوئی کفو و ہمسر نہیں ہے"۔ (سورۂ توحید: آیت ۴)

---

① قرآن کریم کی بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰی کی کرسی، آسمانوں اور زمینوں کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔ اس کا عرش بھی مادی کائنات پر محیط ہے۔ (وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ سورۂ بقرہ: آیت ۲۵۵)

اللہ تعالیٰ نہ جسم رکھتا ہے اور نہ وہ دکھائی دیتا ہے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ ہرگز اِن آنکھوں سے دکھائی نہیں دے سکتا، کیونکہ آنکھوں سے دکھائی دینے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ جسم رکھتا ہے۔ وہ جگہ کا محتاج ہے، رنگ و شکل رکھتا ہے اور جہت و طرف بھی رکھتا ہے۔ یہ تمام صفات مخلوق کی صفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام صفات سے ماوراء و منزہ ہے۔ رُؤیتِ خدا کا عقیدہ شرک کی ایک قسم ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ○ (سورۂ انعام: آیت ۱۰۳)

"آنکھیں اُسے نہیں دیکھتیں لیکن وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے اور وہ مہربان و آگاہ ہے"۔

## بنی اسرائیل کا سوالِ رُؤیت

بنی اسرائیل کے بہانہ ساز لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا:

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً (سورۂ بقرہ: آیت ۵۵)

"ہم اُس وقت تک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہم خدا کو علانیہ نہ دیکھ لیں"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اُنھیں کوہِ طور پر لے گئے اور اُن کا مطالبہ بارگاہِ خداوندی میں پیش کیا۔ خداوند تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا:

لَنْ تَرٰىنِيْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ

فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ
مُوْسٰی صَعِقًا فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اَنَا
اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ○ (سورۂ اعراف: آیت ۱۴۳)

"تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے لیکن اس پہاڑ کی طرف دیکھو۔ پس وہ اپنی جگہ قائم رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے۔ پھر جب اُن کے رب نے پہاڑ پر تجلّی فرمائی تو اُسے ریزہ ریزہ کردیا اور موسیٰؑ غش کھا کر گر پڑے پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کرنے لگے: پاک ہے تیری ذات میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور میں ایمان لانے والوں میں سب سے پہلا ہوں"۔

جی ہاں! ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر بعض قرآنی آیات میں خداوند تعالیٰ کی رُؤیت کی خبر ہے تو اِس رُؤیت سے مراد قلبی اور باطنی رُؤیت ہے کہ انسان اپنے قلب سے اُس ذات کا مشاہدہ کرتا ہے آنکھوں سے نہیں، کیونکہ قرآنی آیات ہمیشہ ایک دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہیں:

اَلْقُرْآنُ یُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا [1]

"قرآن کا بعض حصّہ بعض کی تفسیر کرتا ہے"۔

---

[1] اس جملے کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس ہیں لیکن نہج البلاغہ میں حضرت امام علی علیہ السلام سے کچھ یوں منقول ہے: اِنَّ الْكِتٰبَ یُصَدِّقُ بَعْضُهٗ بَعْضًا "قرآن کا ایک حصّہ دوسرے حصّے کی تصدیق کرتا ہے"۔ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: وَ یَنْطِقُ بَعْضُهٗ بِبَعْضٍ وَیَشْهَدُ بَعْضُهٗ عَلٰی بَعْضٍ (حدیث ۱۸) "قرآن کا ایک حصّہ دوسرے سے نطق کرتا ہے اور اسی کا ایک حصّہ دوسرے حصّے کی تصدیق کرتا ہے"۔ (خطبہ ۱۵۳)

جب راوی نے حضرت امام علی علیہ السلام سے پوچھا تھا:

یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ھَلْ رَأَتَ رَبَّکَ؟

"اے امیر المومنینؑ! آپؑ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟"

آپؑ نے اُس کے جواب میں فرمایا:

اَعْبُدُ مَا لَا اَرٰی

"کیا میں اَن دیکھے (خدا) کی عبادت کروں؟"

اس کے بعد آپؑ نے فرمایا:

لَا تُدْرِکُ الْعُیُوْنُ بِمُشَاھَدَۃِ الْعَیَانِ ، وَلٰکِنْ تُدْرِکُہُ الْقُلُوْبُ بِحَقَائِقِ الْاِیْمَانِ

"آنکھیں اُسے ہرگز نہیں دیکھ سکتیں، لیکن دل قوتِ ایمان سے اُس کا نظارہ کر سکتے ہیں"۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی صفات سے متصف کرنا اور اللہ کے لیے اِن صفات کا قائل ہونا اُس کی معرفت و شناخت سے دُوری ہے اور ایسا عقیدہ انسان کو شرک میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اُس کے متعلق، مکان، جہت، جسم و جسمانیت، مشاہدہ و رُؤیت کا عقیدہ رکھنا شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام ممکنات اور اُن کی صفات سے اَرفع و اعلیٰ ہے اور کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے۔

## اسلامی تعلیمات کی روحِ رواں توحید ہے

ہمارا عقیدہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی معرفت سے متعلق جتنے مسائل ہیں اُن میں سے اہم ترین مسئلہ توحید ہے کہ اللہ ایک ہے۔ حقیقت میں توحید صرف

اُصولِ دین کے ایک حصّے کا نام ہی نہیں بلکہ تمام اسلامی عقائد کی روح اور جان ہے۔ یہ بات بالکل ظاہرو باہر ہے کہ اسلام کے اُصول و فروع توحید کے عقیدہ سے ہی تشکیل پاتے ہیں۔ ہر مقام پر توحید اور وحدانیت ہی جلوہ گر ہے۔

توحید کی تین اقسام ہیں:

① توحیدِ ذات ② توحیدِ صفات ③ توحیدِ افعال۔

مزید وضاحت یہ ہے کہ تمام انبیاءؑ نے توحید برحق کی دعوت دی۔ تمام ادیانِ آسمانی کا یہی پیغام ہے۔ مسلمانوں کا قبلہ خدائے وحدہٗ لاشریک کی علامت ہے۔ قرآنِ مجید اور اللہ تعالیٰ کے عالم گیر قوانین اور احکام کی وحدت علاوہ ازیں مسلمانوں کی وحدت اور قیامت کے نظریے کی وحدت اِن تمام اُوامر سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا ایک ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے نظریۂ توحید سے اِنحراف اور شرک کی طرف میلان کو ناقابلِ معافی گناہ قرار دیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ○ (سورۂ نساء: آیت ۴۸)

"اللہ اِس بات کو یقیناً معاف نہیں کرتا کہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ دیگر گناہوں کی جس کے بارے میں وہ چاہے گا معاف کردے گا اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو اُس نے عظیم گناہ کا بہتان باندھا"۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (سورۂ زمر: آیت ٦٥)

"اور بتحقیق آپؐ کی طرف اور آپؐ سے قبل انبیاءؑ کی طرف یہی وحی بھیجی گئی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمھارا عمل ضرور حبط ہوجائے گا اور تم ضرور نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوجاؤ گے"۔

## اقسامِ توحید

ہمارا عقیدہ ہے کہ توحید کی متعدد اقسام ہیں جن میں سے درج ذیل چار اقسام نہایت اہم ہیں:

① توحیدِ ذات: اللہ تعالیٰ کی ذات واحد ہے، اُس جیسا کوئی نہیں ہے۔

② توحیدِ صفات: علم، قدرت، اَزلیت، اَبدیت اور دوسری صفات اس کی ذات میں جمع ہیں اور یہ صفات اس کی عینِ ذات ہیں۔ وہ مخلوقات کی مانند نہیں ہے کیونکہ مخلوقات کی صفات اُن کی ذات سے جدا ہوتی ہیں۔ مخلوق کی ذات الگ اور اُن کی صفات الگ ہوتی ہیں۔ لیکن اللہ کی ذات اور اُس کی صفات کے درمیان وحدت کا مسئلہ غور وفکر اور باریک بینی کی احتیاج رکھتا ہے۔

③ توحیدِ افعال: اس جہان و کائنات میں جو بھی فعل، حرکت اور تاثیر واثر موجود ہے اُس کا سرچشمہ خدا کا ارادہ اور اُس کی مشیت ہے۔

اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ ○ (سورۂ زمر: آیت ۶۲)

"اللہ ہر چیز کا خالق اور ہر چیز کی حفاظت کرنے والا ہے"۔

لَہٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (سورۂ زمر: آیت ۶۳)

"آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اس کی ملکیت ہیں"۔

جی ہاں! لَا مُؤَثِّرَ فِی الْوُجُوْدِ اِلَّا اللّٰہُ "کائنات میں اُس ذاتِ پاک کے سوا کوئی حقیقی علت موجود نہیں ہے"۔

لیکن اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ہم اپنے اعمال میں مجبور ہیں بلکہ اس کے برعکس ہم ارادہ کرنے اور فیصلہ کرنے میں آزاد ہیں۔ جیسا کہ فرمانِ خداوندی ہے:

اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا ○

"ہم نے اُسے راستے کی ہدایت کردی خواہ شکرگزار بنے اور خواہ ناشکرا"۔ (سورۂ دھر: آیت ۳)

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ○ (سورۂ نجم: آیت ۳۹)

"انسان کو اُس کی کوشش اور سعی کا ہی نتیجہ ملتا ہے"۔

اِن قرآنی آیات سے پیغام ملتا ہے کہ انسان اپنے ارادوں میں خودمختار ہے لیکن چونکہ ارادے کی یہ آزادی اور کام کی قدرت ہمیں اللہ نے عطا کی ہے اس لیے ہمارے اعمال کی نسبت اُس کی طرف جاتی ہے لیکن یہ امر اِس بات کی نفی نہیں کرتا کہ ہم اپنے اعمال کے جواب دہ نہیں ہیں بلکہ ہم نے اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔ اُس ذات کی مشیت یہ ہے کہ ہم اپنے اپنے اعمال آزادی سے انجام دیں تاکہ اس طریقے سے وہ ہمارا امتحان لے اور کمال کے راستے پر ہمیں

رواں دواں کرے کیونکہ انسانی کمال، ارادے کی آزادی اور اطاعتِ خداوندی کا راستہ اپنی مرضی و رضا سے طے کرنے میں مضمر ہے۔ اختیار و آزادی کے بغیر جبر و اِکراہ سے کام نہ تو کسی کی اچھائی کی دلیل ہے اور نہ بُرائی کی علامت ہے۔

اگر ہم اپنے کاموں میں مجبور ہوتے تو اصولی طور پر بعثتِ انبیاءؑ اور آسمانی کتب کے نازل ہونے کا کوئی مفہوم رہتا اور نہ ہی دینی فرائض اور تعلیم و تربیت کا کوئی مقصد بنتا۔ ساتھ ہی ثواب اور عذاب بھی بے معنی بن جاتے۔

یہ وہی عقیدہ ہے جو ہم نے آئمہ اہلِ بیت علیہم السلام کے مکتبِ فکر سے حاصل کیا ہے۔ اُنھی کا فرمان ہے:

لَا جَبْرَ وَلَا تَفْوِیْضَ وَلٰکِنْ اَمْرٌ بَیْنَ اَمْرَیْنَ (اصولِ کافی، ج۱،ص۱۴۰، باب الجبر والقدر لامرٌ بَیْنَ الْاَمْرَیْنَ)

"نہ جبرِ مطلق صحیح ہے اور نہ تفویض، بلکہ اِن دونوں کی درمیانی صورت ہی درست ہے"۔

۴ توحیدِ عبادت: عبادت صرف اور صرف اللہ کے ساتھ خاص و مختص ہے۔ اُس کی مقدس ذات کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ توحید عبادت کی قسم توحید کی باقی تمام اقسام سے اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انبیاءؑ توحید عبادت کی زیادہ تاکید کرتے رہے ہیں۔ جس طرح کہ سورۂ بیّنہ (آیت ۵) میں آیا ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِیْنُ الْقَیِّمَةِ ○

"حالانکہ انھیں تو صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ یکسو ہو کر دین کو

تو کہا: یہ میرے پروردگار کا فضل ہے"۔

خداوند تعالیٰ کے حکم اور اذن سے لاعلاج مریضوں کی شفا و صحت یابی اور مردوں کو زندہ کرنے کی نسبت حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرف دینا عینِ توحید ہے۔ اس کا ثبوت قرآن مجید میں موجود ہے۔

□□□

# ملائکہ

ہم اللہ تعالیٰ کے ملائکہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ نے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ ذمہ داری سونپی ہے۔ اُن میں کچھ ملائکہ ایسے ہیں جو انبیاء علیہم السلام پر وحی لانے پر مامور تھے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۹۷)

بعض فرشتے انسانوں کے اعمال کی حفاظت پر مامور ہیں (سورۂ انفطار: آیت ۱۰)۔ بعض فرشتے انسانی اُرواح قبض کرنے پر مامور ہیں (سورۂ اعراف: آیت ۳۷)۔ بعض ثابت قدم صاحب ایمان لوگوں کی نصرت پر مامور ہیں (سورۂ فصلت: آیت ۳۰)۔ بعض میدانِ جنگ میں مومنین کی نصرت پر مامور ہیں (سورۂ احزاب: آیت ۹)۔ بعض نافرمان اقوام کو سزا دینے پر مامور ہیں۔ (سورۂ ہود: آیت ۷۷)

علاوہ ازیں بہت سے فرشتے کائنات کا نظام چلانے میں مصروف ہیں اور اہم ترین ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہیں۔ چونکہ یہ سب ذمہ داریاں اللہ کے اِذن اور اُس کی قوت و نصرت سے انجام پا رہی ہیں، لہٰذا ان سب کا مرکز اللہ ہے۔ اس لیے یہ توحید ربوبی اور توحید افعالی سے کسی قسم کی منافات نہیں رکھتیں، بلکہ اُن کی تائید کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ انبیاءؑ، معصومینؑ اور ملائکہ کی شفاعت کرنا چونکہ اللہ کے اذن سے ہے لہٰذا یہ بھی عینِ توحید ہے جس طرح کہ سورۂ یونس میں آیا ہے:

مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ (آیت ۳)

"اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفیع نہیں ہو سکتا"۔

(اس موضوع پر مزید گفتگو نبوتِ انبیاءؑ کے باب میں آئے گی)۔

□□□

# عبادت صرف اللہ کے لیے

ہمارا عقیدہ ہے کہ عبادت صرف اللہ کے ساتھ مخصوص ہے لہٰذا جو کوئی اُس کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرے گا وہ مشرک ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا محور و مرکز بھی یہی تھا۔

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (سورۂ اعراف: آیت ۵۹)

”خدا کی عبادت کرو، اُس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے“۔

انبیاءؑ کی یہ گفتگو کئی مرتبہ قرآنِ مجید میں بیان ہوئی ہے۔ قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ ہم مسلمان اپنی نمازوں میں سورۂ حمد کی تلاوت کے وقت اس اہم اسلامی شعار کا تکرار کرتے رہتے ہیں۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

”ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں“۔

یہ بات واضح ہے کہ انبیاءؑ اور ملائکہ کی شفاعت پر ایمان رکھنا اُن کی عبادت نہیں ہے کیونکہ اُن کے حقِ شفاعت کا مرکز اللہ ہے اور اُس کی اجازت سے وہ شفاعت کریں گے۔ اس بات کا تذکرہ قرآنی آیات میں آیا ہے۔

اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو وسیلہ بنانا یعنی اُن کی بارگاہ میں درخواست کرنا کہ

آپ میری مشکل کے حل کے لیے دُعا کریں یہ نہ تو اُن کی پرستش ہے اور نہ عبادت اور نہ ہی یہ توسّل توحید افعالی یا توحید عبادت کی نقیض اور ضد ہے۔

## حقیقت خداوندی سب پر مخفی ہے

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے آثار پوری کائنات پر چھائے ہوئے ہیں۔ پھر بھی اُس ذاتِ حق کی حقیقت کسی پر ظاہر و عیاں نہیں ہے۔ کوئی اُس کی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اُس کی ذات ہر لحاظ سے لامحدود ہے، جب کہ ہم ہر لحاظ سے محدود اور لامتناہی ہیں، اس لیے ہمارے لیے اُس کی ذات کا احاطہ کرنا محال و ناممکن ہے۔

اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ○ (سورۂ فصلت: آیت ۵۴)

"آگاہ رہے وہ ہر چیز پر محیط ہے"۔

وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِیْطٌ ○ (سورۂ بروج: آیت ۲۰)

"اللہ اُن سب پر محیط ہے"۔

بہ عقل نازی حکیم تا کی بہ فکرت ایں رہ نمی شود طی
بہ کنہ ذاتش خرد برد پی اگر رسد خس بہ قعر دریا!

فلسفی و دانشور کی عقل جس قدر بھی تنومند و توانا ہو وہ اس راستے کو کبھی طے نہیں کرسکتی۔ خداوند تعالیٰ کی کنہ معرفت اس طرح محال ہے کہ جس طرح تنکے کا دریا کی گہرائی میں جانا محال ہے"۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک مشہور و معروف حدیث ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَمَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ

''جس تیری مقدس ذات عبادت و بندگی کے لائق ہے ہم نے اُس طرح تیری بندگی و عبادت نہیں کی، اور جس طرح تیری معرفت کا حق ہے ہم نے اُس طرح تیری معرفت حاصل نہیں کی''۔ (بحارالانوار، ج ۶۸، ص ۲۹۳)

لیکن اس کا یہ مقصد بھی نہیں ہے کہ جب ہم اُس ذات کا تفصیلی علم نہیں رکھتے اور یہ قوت بھی نہیں رکھتے کہ اُس کی ذات کے تفصیلی علم تک پہنچیں، لہذا اجمالی علم تک بھی پہنچنے کی کوشش نہ کریں اور اللہ کی معرفت کے باب میں ان الفاظ پر قناعت کرلیں کہ جن کا کوئی مفہوم نہ ہو۔ اِسی کیفیت کو معرفت اللہ کی تعطیل کہتے ہیں۔ اسے ہم قبول نہیں کرتے اور اس پر عقیدہ نہیں رکھتے کیونکہ قرآن اور باقی تمام آسمانی کتب معرفت اللہ اور خدا کی شناخت کے لیے نازل ہوئی ہیں۔

اس موضوع پر بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں مثلاً ہم روح کی حقیقت سے آگاہ و آشنا نہیں ہیں لیکن پھر بھی ہم یقینی طور پر اس کی اجمالی شناخت رکھتے ہیں۔ ہم اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ روح موجود ہے، اُس کے آثار بھی ہم دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

''جب آپ کسی چیز کا، اس کے دقیق ترین معانی و مطالب کا تصور اپنے ذہن میں کریں وہ آپ کی مخلوق اور آپ کی ایجاد ہے اور وہ خود تمھاری طرح ہے۔ اس کی بازگشت آپ کی طرف ہوتی ہے لیکن خدا اِس سے ارفع و اعلیٰ

ہے"۔ (بحارالانوار، ج ۴۳، ص ۲۹۳)

حضرت امام علی علیہ السلام سے مروی حدیث میں اللہ کی معرفت کا دقیق اور باریک مفہوم ایک خوب صورت اور واضح انداز میں اس طرح بیان ہوا ہے:

لَمْ يُطْلِعِ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْعُقُوْلَ عَلٰى تَحْدِيْدِ صِفَتِهٖ وَلَمْ يَحْجِبْهَا اَمُوَاجَ مَعْرِفَتِهٖ

"اللہ تعالٰی نے عقلوں کو اپنی صفات کی حدود اور حقیقت سے آگاہ نہیں فرمایا لیکن انہیں ضروری معرفت اور شناخت سے بھی محروم نہیں رکھا"۔ (غررالحکم)

## نہ تشبیہ، نہ نفی

ہمارا عقیدہ ہے کہ جس طرح خدا کی معرفت اور اُس کی صفات کی شناخت سے دست برداری صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح تشبیہ کی وادی میں قدم رکھنا بھی غلط اور شرک ہے۔ یعنی ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اُس کی ذات والاصفات بالکل شناخت ہی نہیں کی جاسکتی اور ہمارے پاس اُس کی معرفت کا کوئی ذریعہ ہی نہیں ہے۔ اسی طرح مخلوقات کے ساتھ اُسے تشبیہ بھی نہیں دی جاسکتی۔ ان میں سے ایک افراط ہے اور دوسری تفریط۔ (غور فرمائیے)

# دوسرا باب

# مقصدِ بعثتِ انبیاء علیہم السلام

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بنی نوع انسان کی رہبری و رہنمائی کے لیے اور اُنھیں مطلوبہ کمال اور اَبدی سعادت تک پہنچانے کے لیے انبیاءؑ اور رسولؐ بھیجے ہیں۔ اگر انبیاء کرام مبعوث نہ کیے جاتے تو تخلیق و آفرینش کا مقصد حاصل نہ ہوتا۔ انسان گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹکتا رہتا اور مقصد تخلیقِ انسانیت فوت ہوجاتا۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا○ (سورۂ نساء: آیت ۱۶۵)

"یہ سب بشارت دینے والے اور تنبیہ کرنے والے رسولؐ بنا کر بھیجے گئے تھے تاکہ اُن رسولوںؐ کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کے سامنے کسی حجت کی گنجائش نہ رہے اور اللہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے"۔

## اُولوالعزم انبیاءؑ

ہمارا عقیدہ ہے کہ اِن تمام انبیاءؑ میں سے پانچ انبیاءؑ اُولوالعزم تھے، وہ صاحبِ شریعت تھے اور اُن پر آسمان سے کتابیں نازل ہوئیں۔ وہ ایک نیا دین لائے تھے۔ اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

① حضرت نوح علیہ السلام ② حضرت ابراہیم علیہ السلام
③ حضرت موسیٰ علیہ السلام ④ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
⑤ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ارشادِ خداوندی ہے:

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ (سورۂ احزاب: آیت ۷)

"اور یاد کرو جب ہم نے انبیاءؑ سے عہد لیا اور آپ سے بھی اور نوحؑ سے بھی اور ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ ابن مریمؑ سے بھی اور اُن سب سے ہم نے پختہ عہد لیا"۔

ایک اور جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (سورۂ احقاف، آیت ۳۵)

"پس اے رسولؐ! صبر کیجیے جس طرح اُولوالعزم رسولوںؑ نے صبر کیا"۔

□□□

# عقیدۂ ختم نبوت

ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء اور اللہ تعالیٰ کے آخری رسولؐ ہیں۔ اُن کی شریعت دنیا کے تمام لوگوں کے لیے ہے۔ جب تک یہ دنیا باقی ہے اُن کی شریعت باقی رہے گی۔ کیونکہ اسلامی تعلیمات اور اُس کے معارف و اَحکام میں وہ جامعیت ہے کہ اس سے قیامت تک انسان اپنی تمام مادی اور معنوی ضروریات پوری کرتے رہیں گے۔ جس آدمی نے بھی اُن کے بعد نبوت اور رسالت کا دعویٰ کیا، اُس کا دعویٰ باطل اور بے بنیاد ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ○ (سورۂ احزاب: آیت ۴۰)

"محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، ہاں وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے"۔

## آسمانی ادیان کے ساتھ اسلام کا حکیم رواداری

اگرچہ ہم اسلام ہی کو اللہ تعالیٰ کا باقاعدہ قانونی دین سمجھتے ہیں لیکن ہمارا

عقیدہ ہے کہ دوسرے آسمانی مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ رواداری پر مبنی سلوک روا رکھنا چاہیے۔ چاہے وہ اسلامی ممالک میں رہتے ہوں یا کہیں اور۔ اِن لوگوں سے اسلام اچھے سلوک کی دعوت دیتا ہے۔ البتہ وہ لوگ جو اسلام اور مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہوں اُن کا مقابلہ اسلامی جہاد کہلاتا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

لَا یَنْہٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ○ (سورۂ ممتحنہ: آیت ۸)

"جن لوگوں نے دین کے بارے میں تم سے جنگ نہیں کی اور نہ ہی تمھیں گھروں سے نکالا ہے، اللہ تمھیں اُن کے ساتھ احسان کرنے اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا۔ اللہ یقیناً انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ اِس دنیا کے تمام لوگوں پر اسلامی تعلیمات اور اسلام کی حقیقت کو دلیل اور برہان کے ذریعے روشن اور واضح کیا جاسکتا ہے۔ اسلام اپنے دامن میں بھرپور کشش رکھتا ہے۔ اگر اُسے اچھے انداز میں پیش کیا جائے تو یہ بہت سے لوگوں کو اپنی طرف سے مائل کرسکتا ہے۔ موجودہ دور میں اسلام کا پیغام سننے کے لیے بہت سے لوگ تیار ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلام کو جبر و اکراہ کے ذریعے لوگوں پر نہیں تھونپنا چاہیے۔

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۵۶)

"دین میں کوئی جبر و اکراہ نہیں ہے۔ ہدایت و ضلالت میں فرق واضح ہو چکا"۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلام کے جامع احکام پر اہلِ اسلام کا عمل پیرا ہونا اسلام کی شناخت کا ایک اور سبب ثابت ہوگا لہٰذا جبر و اکراہ اور کسی قسم کے دباؤ اور زبردستی کی ضرورت نہیں ہے۔

## عصمت انبیاء علیہم السلام

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاءؑ معصوم ہیں۔ وہ اپنی پیدائش سے لے کر وفات تک، نبوت سے قبل اور نبوت کے بعد، نصرتِ خداوندی سے ہر قسم کے گناہوں اور خطاؤں سے محفوظ رہتے ہیں۔ اگر اُن سے گناہ اور غلطی کا امکان ہو تو پھر اُن کی نبوت سے اعتماد ختم ہو کر رہ جائے گا۔ لوگ اُنھیں اپنے اور اللہ کے درمیان ایک قابلِ اطمینان وسیلہ نہیں سمجھیں گے اور اپنی زندگی کے تمام اعمال میں اُنھیں اپنا راہنما اور رہبر تسلیم نہیں کریں گے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآن کریم کی کچھ آیات میں انبیاء علیہم السلام کی طرف خطا کی جو نسبت دی گئی ہے اُس سے مراد ترکِ اَولیٰ ہے۔ ①

دوسرے معانی میں یہ حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ کے زمرے میں شامل ہے "یعنی نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے لیے گناہ شمار ہوتے ہیں"۔ ②

---

① دو اچھے کام ہوں، ایک کام بہت اچھا ہو اور دوسرا اُس سے کم۔ بہت اچھے کام کو چھوڑ کر اُس سے کم کے اختیار کرنے کا نام ترکِ اولیٰ ہے۔

② علامہ مجلسیؒ نے بحارالانوار میں یہ جملہ معصومؑ سے روایت کیا ہے، لیکن کسی معصومؑ کے اسم شریف کا ذکر نہیں کیا۔ (بحارالانوار، ج ۲۵، ص ۲۵۵)

کیونکہ ہر شخص سے اُس کی عظمت کے پیشِ نظر توقع رکھی جاتی ہے۔

## انبیاءؑ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ کے انبیاءؑ اور رسولوںؑ کا سب سے عظیم اعزاز یہ ہے کہ وہ اللہ کے مطیع اور فرماں بردار بندے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم اپنی پنجگانہ نمازوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ جملہ اپنی زبانوں پر جاری کرتے ہیں:

وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

"میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے عبد اور رسولؐ ہیں"۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ کسی بھی نبیؐ نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا اور لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت نہیں دی۔ ارشادِ خداوندی ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (سورہ آل عمران: آیت ۷۹)

"کسی انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ تو اُسے کتاب، حکمت اور نبوت عطا فرمائے۔ پھر وہ لوگوں سے کہے اللہ کی بجائے میرے بندے بن جاؤ"۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی کسی کو ہرگز اپنی عبادت کی دعوت نہیں دی۔ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو اللہ کا بندہ اور مخلوق قرار دیتے رہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ (سورہ نساء: آیت ۱۷۲)

"مسیح نے کبھی اللہ کی بندگی کو عار نہیں سمجھا اور نہ ہی مقرب فرشتے اُسے عار سمجھتے ہیں"۔

مسیحیت کی موجودہ تاریخیں بھی یہی بتاتی ہیں کہ مسئلہ تثلیث (تین خداؤں کا عقیدہ) مسیحیت کے ابتدائی سو سالوں میں موجود نہ تھا۔ یہ عقیدہ بعد میں پیدا ہوا۔

□□□

# معجزات اور علمِ غیب

ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاءؑ اللہ کے بندے ہیں، لیکن اُن کی یہ بندگی اِس بات میں رکاوٹ نہیں بنتی کہ وہ خدا کے حکم اور اذن سے ماضی، حال اور مستقبل کے مخفی اُمور سے مطلع ہو جائیں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ○ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (سورۂ جن: آیت ۲۶-۲۷)

"وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا سوائے اس رسولؐ کے جسے اُس نے برگزیدہ کیا ہو۔ وہ اُس کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر کر دیتا ہے"۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک معجزہ یہ تھا کہ آپؑ لوگوں کو مخفی باتوں سے آگاہ فرماتے تھے:

وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ (سورۂ آلِ عمران: آیت ۴۹)

"میں تم لوگوں کو بتاتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں کیا جمع کر کے رکھتے ہو"۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے باعث غیب کی بہت سی باتیں

بیان فرماتے تھے:

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ (سورۂ یوسف: آیت ۱۰۲)

"یہ غیب کی خبروں کا حصہ ہیں جنھیں ہم آپؐ کی طرف وحی کر رہے ہیں"۔

جی ہاں! اگر انبیاء علیہم السلام کے ذریعے اور اللہ کے اذن سے غیب کی خبریں دیں تو یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے۔

اگر بعض آیات میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غیب کی نفی ہوئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ذاتی طور پر علمِ غیب نہیں رکھتے نہ کہ وہ علم جو آپؐ کو اللہ نے عطا کیا ہے کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ قرآنی آیات ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ (سورۂ انعام: آیت ۵۰)

"میں غیب کا علم نہیں رکھتا اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں"۔

اس آیت میں ذاتی علمِ غیب کی نفی ہے نہ کہ اُس علمِ غیب کی جو اللہ نے آپؐ کو عطا کیا تھا۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ عظیم لوگ اللہ تعالیٰ کے اذن سے بڑے اہم معجزات اور خارقِ عادت کام انجام دیتے ہیں۔ اللہ کے حکم سے اِس طرح کے اُمور کی انجام دہی پر ایمان رکھنا نہ شرک ہے اور نہ اُن کے مقامِ بندگی وعبودیت سے متصادم ہے۔

قرآن مجید فرماتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کرتے تھے اور لاعلاج مریضوں کو اللہ کے حکم سے شفا دیتے تھے۔

وَ أُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَ الْأَبْرَصَ وَ أُحْيِ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ

(سورۂ آل عمران: آیت ۴۹)

"میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور برص کے مریض کو تندرست اور مُردے کو زندہ کرتا ہوں"۔

□□□

# شفاعتِ انبیاءؑ

ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو حق شفاعت حاصل ہے اور ان سب میں سب سے زیادہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق شفاعت حاصل ہے۔ وہ بارگاہِ خداوندی میں گناہ گاروں کے مخصوص گروہوں کی شفاعت کریں گے، لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اذن کے ساتھ ہوگی۔

مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِهٖ (سورۂ یونس: آیت ۳)

"اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے"۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۵۵)

"کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے حضور سفارش کرے؟"

اگرچہ بعض آیات میں بطورِ مطلق شفاعت کی نفی کی گئی ہے، مثلاً:

مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۵۴)

"قبل اس دن کے جس میں نہ تجارت کام آئے گی اور نہ دوستی کا فائدہ ہوگا اور نہ سفارش چلے گی"۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اُس شفاعت کی نفی ہے جو اللہ کی اجازت کے بغیر ہو یا اُن لوگوں کی شفاعت مراد ہے جو شفاعت کی صلاحیت نہیں رکھتے کیونکہ پیچھے کئی بار بتایا گیا ہے کہ قرآنی آیات ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ شفاعت کا نظریہ، لوگوں کی تربیت، گناہ گار لوگوں کو صراطِ مستقیم پر لانے، اُنھیں نیکی کی ترغیب دینے اور اُن میں اُمید کی شمع روشن کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے کیونکہ شفاعت بغیر کسی حساب کتاب کے نہیں ہوسکتی، بلکہ اِس کا حق اُن لوگوں کے پاس ہے جو اس کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یعنی اُن کے گناہ اِس حد تک نہ ہوں کہ وہ شفیعوں سے اپنا رابطہ مکمل طور پر منقطع کر چکے ہوں۔ لہٰذا فلسفۂ شفاعت گناہ گاروں کو خبردار کرتا ہے کہ وہ اپنے تمام راستے مسدود نہ کریں، اپنی واپسی کا راستہ کھلا رکھیں اور شفاعت کے لیے اپنی اہلیت ثابت کریں۔

□□□

# وسیلہ

ہمارا عقیدہ ہے کہ "توسّل" بھی شفاعت کی مانند ہے۔ وسیلہ اور توسّل کا مسئلہ معنوی اور مادی مشکلات میں گھرے ہوئے افراد کو موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ اولیائے خدا کا دامن تھام لیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اِذن سے اُس کی بارگاہ میں اپنی مشکلات دُور کرنے کی درخواست کریں یعنی وہ ایک طرف اللہ کی طرف رجوع کریں اور دوسری طرف اولیاء اللہ کو وسیلہ قرار دیں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○

(سورۂ نساء: آیت ۶۴)

"اور جب یہ لوگ اپنے اُوپر ظلم کر بیٹھتے تھے تو اگر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ سے معافی مانگتے اور رسولؐ بھی ان کی مغفرت کی دعا کرتے تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا پاتے"۔

جب ہم داستانِ حضرت یوسفؑ پڑھتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ برادرانِ یوسفؑ نے اپنے باپ کو وسیلہ بنایا تھا اور کہا تھا:

يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ○ (سورۂ

یوسف: آیت ۹۷)

"اے ہمارے بابا جان! ہمارے لیے خدا سے مغفرت طلب کریں کیونکہ ہم خطا کار ہیں"۔

اُن کے بوڑھے باپ نے اُن کی درخواست قبول کرلی اور اُن کی مدد کرنے کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا:

سَوۡفَ اَسۡتَغۡفِرُ لَکُمۡ رَبِّیۡ (سورۂ یوسف: آیت ۹۸)

"عنقریب تمھارے لیے اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کروں گا"۔

یہ واقعہ اس بات کی شہادت ہے کہ گذشتہ اُمتوں میں بھی توسّل کا عقیدہ موجود تھا لیکن منطقی حدود سے بھی تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔ اولیاء اللہ کو اللہ کی اجازت کے بغیر مستقل طور پر مؤثر نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ کفر اور شرک کا سبب ہے اور توسّل و وسیلہ کو اولیاء اللہ کی عبادت کی شکل نہیں دینی چاہیے کیونکہ یہ بھی کفر اور شرک ہے کیونکہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر بذاتِ خود سود و زیاں کے مالک نہیں ہیں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

قُلۡ لَّاۤ اَمۡلِکُ لِنَفۡسِیۡ نَفۡعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ (سورۂ اعراف: آیت ۱۸۸)

"کہہ دیجیے میں خود بھی اپنے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں مگر اللہ جو چاہتا ہے"۔

## انبیاءؑ کی دعوت کے اصول

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے تمام انبیاءؑ ایک ہی منزل کی طرف گامزن تھے۔ اُن کا ہدف یہ تھا کہ لوگ اللہ اور قیامت پر ایمان لا کر سعادتِ ابدی حاصل کریں۔ اُن کا مقصدِ تبلیغ یہ تھا کہ تعلیم و تربیت اور اخلاقی اصول مستحکم ہوں۔ اِسی وجہ سے تمام انبیاءؑ ہمارے نزدیک محترم ہیں۔ یہی درس ہمیں قرآن نے ہی دیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۸۵)

"ہم خدا کے رسولوںؑ کے درمیان کسی قسم کا فرق نہیں کرتے"۔

جوں جوں وقت گزرتا رہا علم بھی اپنی بلندی کے زینے طے کرتا رہا۔ انسان کی آمادگی کے ساتھ ساتھ ادیانِ الٰہی بھی آہستہ آہستہ تکامل کی طرف بڑھتے رہے اور اُن کی تعلیمات زیادہ سے زیادہ عمیق ہوتی گئیں، یہاں تک کہ آخری اور کامل و اکمل دین یعنی دینِ اسلام کی باری آگئی اور یہ فرمان نازل ہوا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (سورۂ مائدہ: آیت ۳)

"آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا"۔

# انبیاءؑ کی پیشین گوئیاں

ہمارا عقیدہ ہے کہ بہت سے سابقہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے بعد آنے والے انبیاءؑ کے ظہور کی خبر دی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واضح نشانیاں بیان فرمائیں۔ اب بھی بعض نشانیاں اُن کی کتب میں موجود ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ .....اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝ (سورۂ اعراف: آیت ۱۵۷)

"(یہ رحمت اُن مومنین کے شامل حال ہوگی) جو لوگ اُس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو نبی اُمّی کہلاتے ہیں، جن کا ذکر وہ اپنے ہاں تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں...... وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔

تاریخ بتاتی ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور سے کچھ عرصہ قبل یہودیوں کی ایک بہت بڑی تعداد مدینہ میں آکر آباد ہوگئی اور بڑی بے صبری سے رسولؐ اسلام کے ظہور کا انتظار کرنے لگی کیونکہ اُن کی کتابوں میں موجود تھا کہ آپؐ ایسی سرزمین سے ظہور کریں گے۔ جب رسولِ اکرمؐ کا ظہور ہوا تو اُن یہودیوں میں سے کچھ تو ایمان لے آئے اور جن کے مفادات خطرے میں تھے انھوں نے آپؐ کی مخالفت کی۔

## مصلحِ حیاتِ انسانی اور انبیاء

ہمارا عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر جو ادیان نازل ہوئے تھے یا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو دین نازل ہوا وہ صرف انسانوں کی معنوی اور اخلاقی اصلاح کے لیے نازل نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کی اصلاح کے لیے نازل ہوئے تھے۔ یہ تمام اُدیان تمام اجتماعی حوالوں سے اصلاح کے علَم بردار ہیں۔ لوگوں نے روزمرہ زندگی کے بہت سے ضروری علوم انھیں ادیان سے سیکھے ہیں۔ ان میں سے بعض کی طرف قرآنِ مجید میں اشارے موجود ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ اِن آسمانی رہبروں کا عظیم مقصد انسانی معاشرے میں عدالت کا قیام تھا۔

ارشادِ خداوندی ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (سورۂ حدید: آیت ۲۵)

"بتحقیق ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل دے کر بھیجا ہے اور ہم نے اُن کے ساتھ کتاب میزان نازل کیا ہے تاکہ لوگ عدل قائم کریں"۔

## نسلی اور ملّی امتیازات کی نفی

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاءؑ بالخصوص پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے نسلی اور قومی امتیازات کی کوئی حیثیت نہ تھی بلکہ اُن کی نظر میں دنیا کی تمام اقوام، ملّتیں اور نسلیں برابر تھیں۔ قرآنِ مجید نے تمام انسانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے:

يَآيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ

(سورۂ حجرات: آیت ۱۳)

"اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا، پھر تمھیں قومیں اور قبیلے بنا دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، تم میں سب سے زیادہ معزز اللہ کے نزدیک یقیناً وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے"۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرزمین منیٰ میں حج کے موقع پر اونٹ پر سوار ہو کر لوگوں سے خطاب فرمایا تھا:

يَآيُّهَا النَّاسُ اَلَا اِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَاِنَّ اَبَاكُمْ وَاحِدٌ اَلَا لَافَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰى اَحْمَرَ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ اِلَّا بِالتَّقْوٰى اَلَاهَلْ بَلَّغْتُ؟ قَالُوْا نَعَمْ! قَالَ يُبَلِّغُ الشَّاهِدُ عَلَى الْغَائِبِ

"اے لوگو! جان لو! تمھارا خدا ایک ہے اور تمھارا باپ ایک ہے، نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر، نہ کالے کو گندمی رنگ والے پر اور نہ گندمی رنگ والے کو سیاہ رنگ والے پر کوئی برتری حاصل ہے مگر تقویٰ کے ذریعے۔ کیا میں نے اللہ کا حکم تم تک پہنچا دیا ہے؟ سب نے کہا: جی ہاں! آپؐ نے فرمایا: جو لوگ موجود ہیں وہ یہ بات اُن تک پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں"۔ (تفسیر قرطبی، ج ۹، ص ۲۱۲۹)

# اسلام اور فطرتِ انسانی

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ، توحید اور انبیاء کی تعلیمات کے اصولوں پر اجمالی ایمان تمام انسانوں میں فطری طور پر پایا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اِس ثمر بخش تخم کی آبیاری وحی کے ذریعے کرتے تھے اور شرک و انحراف کی جھاڑیاں اُس سے دُور کرتے تھے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ
ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝
(سورۂ روم: آیت ۳۰)

"یعنی اللہ کی اِس فطرت کی طرف جس پر اس نے سب انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں ہے۔ یہی محکم دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"۔

یہی وجہ ہے کہ تاریخ انسانیت کے ہر دور میں دینِ خداوندی ہمیشہ انسانوں میں موجود رہا ہے اور مؤرخین کے عقیدے کے مطابق بے دینی کہیں کہیں اور خال خال نظر آتی ہے۔ یہاں تک کہ سالہا سال تک دین دشمن پروپیگنڈے کی زد میں رہنے والی اقوام نے آزادی حاصل کرتے ہی دین کی طرف رجوع کر لیا۔ لیکن اِس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بہت سی گذشتہ اقوام کی علمی سطح کے تنزل کے باعث اُن کے دینی عقائد اور آداب میں بہت سی خرابیاں اور خرافات پیدا ہوجاتے تھے۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد یہی تھا کہ وہ انسانوں کے آئینۂ فطرت سے خرافات کی گرد و غبار کو دُور کریں۔

# تیسرا باب

# قرآنِ مجید اور آسمانی کتابیں

## کتبِ سماوی کے نزول کا فلسفہ

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے آسمان سے متعدد کتابیں نازل فرمائی ہیں جن میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت نوحؑ کے صحیفے، تورات، زبور، انجیل اور قرآنِ مجید شامل ہیں۔ ان سب میں قرآنِ مجید جامع ترین کتاب ہے۔ اگر یہ کتابیں نازل نہ ہوتیں تو انسان خدا شناسی اور خدا کی عبادت کے راستے میں غلطیوں کا شکار ہو جاتا اور وہ تقویٰ و تربیت اور اخلاق کے اصولوں اور اِن اجتماعی قوانین سے دُور ہو جاتا جن کی اُسے ضرورت تھی۔

یہ سماوی کتب بارانِ رحمت کی طرح قلوب پر نازل ہوئیں۔ اِن کتابوں نے انسان کی فطرت میں تقویٰ، اخلاق، اللہ کی معرفت اور علم و دانش کی تخم ریزی کی اور اُنھیں پروان چڑھایا۔

ارشادِ خداوندی ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۸۵)

"رسولؐ اُس کتاب پر ایمان رکھتا ہے جو اُس پر اس کے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے اور سب مومنین بھی۔ سب اللہ اور اُس کے فرشتوں، اُس کی کتابوں اور اُس کے رسولوںؑ پر ایمان رکھتے ہیں"۔

لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جاہل اور نااہل لوگوں کی مداخلت سے بہت سی آسمانی کتابیں تحریف کا شکار ہو گئیں اور اُن میں غلط نظریات کا اضافہ کر دیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود آگے آنے والے دلائل کے مطابق قرآنِ مجید ہر قسم کی تحریف سے محفوظ رہا ہے۔ یہ تمام زمانوں اور اَدوار میں آفتاب کی طرح ضوفشاں رہا ہے اور قلوب کو منور کر رہا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ○ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ (سورۂ مائدہ: آیت ۱۵-۱۶)

"بتحقیق تمھارے پاس اللہ کی جانب سے نُور اور روشن کتاب آچکی ہے جس کے ذریعے اللہ ان لوگوں کو امن وسلامتی کی راہیں دکھاتا ہے جو اُس کی رضا کے طالب ہیں"۔

## قرآنِ مجید عظیم معجزہ ہے

ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآنِ مجید پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عظیم ترین معجزہ ہے۔ یہ نہ فقط فصاحت و بلاغت، بیان کی چاشنی اور معانی کی جامعیت کے لحاظ سے معجزہ ہے بلکہ دیگر کئی جہات سے بھی معجزہ ہے۔ (تفصیلات عقائد اور علمِ کلام کی کتب میں مذکور ہیں)۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ کوئی بھی قرآنِ مجید کی مثل بلکہ اِس کی ایک سورہ جیسی کوئی سورہ بھی نہیں لاسکتا۔ جو لوگ اِس کتاب میں شک کرتے تھے قرآن نے انھیں کئی بار چیلنج کیا لیکن وہ اِس کے مقابلے پر ہرگز قادر نہ ہوئے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ○ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۸۸)

"کہہ دیجیے اگر انسان اور جن سب مل کر اس قرآن کی مثل لانے کی کوشش کریں تو وہ اس کی مثل نہیں لاسکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں"۔

ایک اور جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۳)

"اور اگر تم لوگوں کو اِس کتاب کے بارے میں شبہ ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو اِس جیسا کوئی سورہ بنالاؤ اور اللہ کے علاوہ اپنے حامیوں کو بھی بلا لو، اگر تم سچے ہو"۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ نہ یہ قرآن پرانا ہوا بلکہ اُس کے اعجاز آمیز نکات مزید آشکار ہو رہے ہیں اور دنیا والوں کے سامنے اُس کے مطالب کی عظمت مزید روشن ہوتی جارہی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت مروی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لَمْ يَجْعَلْهُ لِزَمَانٍ دُوْنَ زَمَانٍ وَلِنَاسٍ دُوْنَ نَاسٍ فَهُوَ فِيْ كُلِّ زَمَانٍ جَدِيْدٌ وَعِنْدَ كُلِّ

قَوْمٍ غَضٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ (بحارالانوار، ج ۲، ص ۲۸۰، حدیث ۴۴)

''اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کو کسی خاص زمانے یا یا کچھ خاص لوگوں کے ساتھ مختص نہیں کیا۔ اس وجہ سے وہ ہر زمانے میں نیا اور ہر گروہ کے نزدیک قیامت تک شاداب ہے''۔

## عدم تحریف

ہمارا عقیدہ ہے کہ آج ہم سب مسلمانوں کے پاس جو قرآنِ مجید ہے یہ وہی قرآن ہے جو پیغمبرؐ اسلام پر نازل ہوا تھا، اس میں کمی واقع ہوئی ہے اور نہ اس میں کسی چیز کا اضافہ کیا گیا ہے۔

جن ایام سے رسول اللہ ﷺ پر وحی کا سلسلہ شروع ہوا اُنھی دنوں سے ہی کاتبانِ وحی نے قرآنِ مجید کو لکھنا شروع کر دیا تھا۔ جب بھی آیاتِ قرآنی نازل ہوتیں تو کاتبانِ وحی کی جماعت قرآنی آیات کو اپنے ہاں لکھ لیتی تھی۔ علاوہ ازیں مسلمانوں کی ذمہ داری تھی کہ وہ دن رات قرآنِ مجید کی تلاوت کریں اور اپنی پنجگانہ نمازوں میں اُسے دہرائیں۔ اُس دور میں بہت سے لوگوں نے قرآنِ مجید کو حفظ کرلیا تھا۔ اسلامی معاشرے میں قرآن کی حفاظت اور قاریوں کو ہمیشہ خصوصی مقام حاصل رہا۔ اِس طریقے سے اور دیگر وجوہات کی بنا پر قرآنِ مجید ہر قسم کے تغیر و تبدل اور تحریف سے محفوظ رہا۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے قیامت تک قرآن کی حفاظت کی خود ذمہ داری لی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اِس ضمانت کے باعث اس میں تغییر و تحریف محال ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ (سورۂ حجر: آیت ۹)

"اس ذکر کو یقیناً ہم ہی نے اُتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں"۔

تمام علمائے کبار شیعہ وسُنّی اور محققین اِس بات پر متفق ہیں کہ قرآنِ مجید میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی ہے۔ فریقین میں سے بہت کم لوگوں نے بعض احادیث کی رُو سے تحریف کی بات کی ہے، لیکن فریقین کے محقق حضرات اِس رائے کو یقینی طریقے سے رد کرتے ہیں اور مذکورہ روایات کو من گھڑت اور جعلی قرار دیتے ہیں یا اُنھیں آیاتِ قرآن کی غلط تفسیر قرار دیتے ہیں کہ جن لوگوں نے تحریفِ قرآنِ مجید کی بات کی ہے وہ غلط ہیں۔ (غور فرمائیں)

کچھ تنگ نظر لوگ ہیں جو اس امر پر زور دیتے آئے ہیں کہ بعض شیعہ یا غیر شیعہ لوگ تحریف کے قائل ہیں حالانکہ یہ بات شیعہ اور اہلِ سنت کے بڑے علماء کے صریح بیانات کی ضد ہے۔ ایسے لوگ لاشعوری طور پر قرآنِ مجید کو زک پہنچا رہے ہیں اور اپنے بے جا تعصب کی وجہ سے اِس عظیم الشان آسمانی کتاب کو مشکوک بنانے کی مذموم کوشش کر رہے ہیں اور اپنے دشمن کی مدد کر رہے ہیں۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دور میں قرآنِ کریم کی بتدریج جمع آوری کا اہتمام تھا۔ صحابہ کرام کتاب اللہ کو لکھتے تھے اور حفظ کرتے تھے اور پھر قرآنِ مجید کے نسخوں کی حفاظت کرتے تھے۔ وحی کے پہلے دن سے ہی کاتبانِ وحی کی ایک جماعت کا وجود اس حقیقت کو واضح کر دیتا ہے کہ قرآن میں تحریف ایک ناممکن

بات رہی ہے۔

نیز اس معروف و مشہور قرآنِ مجید کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن بھی موجود نہیں ہے۔ اس کی دلیل بھی بالکل واضح ہے اور تحقیق کا راستہ سب کے لیے کھلا ہے۔ کیونکہ آج تمام گھروں، مساجد اور لائبریریوں میں قرآنِ مجید موجود ہے۔ یہاں تک کہ صدیوں قبل لکھے گئے قلمی نسخے ہمارے عجائب گھروں میں موجود ہیں۔ یہ بھی ببانگِ دہل اعلان کر رہے ہیں کہ یہ وہی قرآن ہے جو باقی اسلامی ممالک میں موجود ہے۔ اگر اس سے قبل ان مسائل پر تحقیق کے وسائل فراہم نہ تھے مگر آج تو تحقیق کا دروازہ سب پر کھلا ہے۔ تھوڑی سی تحقیق سے ہی اس طرح کی غلط نسبتوں کا بے بنیاد ہونا ثابت ہوجائے گا۔

ارشادِ خداوندی ہے:

فَبَشِّرْ عِبَادِ ○ اَلَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ (سورۂ زمر: آیت ۱۷-۱۸)

"آپ میرے اُن بندوں کو بشارت دے دیجیے جو بات کو سنا کرتے ہیں اور اس میں سے بہتر کی پیروی کرتے ہیں"۔

آج ہمارے ہاں دینی علوم کے مراکز میں، وسیع پیمانے پر قرآنی علوم کی تدریس کا سلسلہ جاری ہے۔ اُن کا ایک بہت ہی اہم موضوع قرآنِ مجید میں تحریف اور تبدیلی کا نہ ہونا ہے۔

## انسانی مادی اور معنوی ضروریات اور قرآن کریم

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی معنوی اور مادی زندگی کے ضروری

بنیادی مسائل اپنے قرآن میں بیان کردیے ہیں۔ اس کتاب میں حکومت اور سیاسی معاملات کو چلانے اور دوسرے معاشروں سے تعلقات کی تفصیلات موجود ہیں۔ علاوہ ازیں صلح و جنگ اور عدالتی و اقتصادی مسائل وغیرہ کے بنیادی اصول وضوابط شرح و بسط کے ساتھ بیان کردیے گئے ہیں۔ جب ہم ان پر عمل کرتے ہیں تو ہماری زندگی روشن ہوجاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ○ (سورۂ نحل: آیت ۸۹)

"اور ہم نے آپؐ پر یہ کتاب ہر چیز کو بڑی وضاحت سے بیان کرنے والی اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت اور بشارت بنا کر نازل کی ہے"۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ دینِ اسلام ہرگز حکومت اور سیاست سے جدا نہیں ہے۔ اسلام مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنی حکومت خود چلائیں اور حکومت کے ذریعے اسلامی اقدار کو زندہ کریں اور اسلامی معاشرے کی اس طرح تربیت کریں کہ تمام لوگ عدل و انصاف کے راستے پر گامزن ہوں، یہاں تک کہ اگر دوست اور دشمن کا معاملہ ہو تو اس میں بھی عدالت سے کام لیا جائے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ (سورۂ نساء: آیت ۱۳۵)

"اے ایمان والو! انصاف کے سچے داعی بن جاؤ اور اللہ کے لیے گواہ بنو اگرچہ تمھاری یا تمھارے والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو"۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (سورۂ مائدہ: آیت ۸)

"اور کسی قوم کی دشمنی تمھاری بے انصافی کا سبب نہ بنے، ہر حال میں عدل کرو یہی تقویٰ کے قریب ترین ہے"۔

## تلاوت، تدبر، عمل

ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت بہترین عبادتوں میں سے ایک ہے۔ بہت کم عبادات ہیں جو تلاوتِ قرآنِ مجید کے ہم پلہ ہیں کیونکہ قرآنِ مجید، قرآن کے بارے میں غور وفکر کرنے کا ذریعہ اور نیک اعمال کا سرچشمہ ہے۔

قرآنِ مجید کا پیغمبرؐ اسلام سے خطاب ہے:

قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ○ نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ○ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ○ (سورۂ مزمل: آیت ۲ تا ۴)

"رات کو اٹھا کیجیے مگر کم، آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر لیجیے یا اس پر کچھ بڑھا دیجیے اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجیے"۔

فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ (سورۂ مزمل: آیت ۲)

"لہٰذا تم جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو"۔

لیکن جس طرح بیان کیا گیا ہے کہ تلاوتِ قرآنِ مجید، اُس کے معانی اور مطالب میں تدبر اور تفکر کا ذریعہ ہو اور یہ تفکر اور تدبر بھی قرآنِ مجید کے احکام پر عمل کا مقدمہ ہے۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (سورۂ محمد: آیت ۲۴)

"کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا اُن کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟"

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ ○ (سورۂ قمر: آیت ۱۷)

"اور بتحقیق ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنا دیا ہے تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟"

ایک اور مقام پر ارشاد خداوندی ہے:

هٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَکٌ فَاتَّبِعُوْهُ (سورۂ انعام: آیت ۱۵۵)

"اور یہ ایک مبارک کتاب ہے جو ہم نے نازل کی پس اس کی پیروی کرو"۔

لہٰذا وہ لوگ جو صرف قرآنِ مجید کی تلاوت اور اُسے حفظ کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں اور قرآنِ مجید میں تدبر اور اُس کے مطابق عمل سے محروم رہتے ہیں اگرچہ وہ اِن تین ارکان میں سے ایک رکن کو انجام دیتے ہیں لیکن وہ دو ارکان جو اہم ہیں اُن سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، ایسے لوگ زبردست خسارے میں ہیں۔

## گمراہ کن مباحث

ہمارا عقیدہ ہے کہ اہلِ اسلام کو قرآنی آیات میں تدبر سے روکنے کے لیے ہمیشہ سے خفیہ ہاتھ کام کرتے رہے ہیں۔ اُموی اور عباسی اَدوار ① میں قرآنِ کریم کے قدیم یا حادث ہونے کا مسئلہ چھیڑ کر مسلمانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا گیا اور اُنھیں آپس میں لڑایا گیا جس کے نتیجے میں بہت سی جانیں ضائع ہوگئیں۔

حالانکہ اب ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ یہ موضوعات اختلاف اور نزاع کے قابل نہیں ہیں کیونکہ اگر کلام اللہ سے مراد حروف "نقوش" کتابت اور کاغذ ہو تو کسی شک کے بغیر یہ سب حادث اُمور ہیں اور اگر اِس سے مراد پروردگار کے علم میں موجود معانی ہوں تو چونکہ خدا کا علم اُس کی ذات کی طرح قدیم اور ازلی ہے لہٰذا یہ بھی ازلی ہے، لیکن ظالم اسلامی حکمرانوں نے لوگوں کو سالہا سال اس مسئلے میں مصروف رکھا۔ اب بھی کچھ سازشی لوگ مسلمانوں کو دوسرے طریقوں سے قرآنِ مجید میں تدبر اور اُس پر عمل سے روک رہے ہیں۔

## قرآنِ مجید کی تفسیر کے اصول وضوابط

ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآنِ مجید کے عُرفی اور لغوی معانی ومفاہیم پر عمل کرنا چاہیے۔ ہاں اگر آیات کے اندر اور باہر کوئی عقلی یا نقلی قرینہ موجود ہو جو کسی

---

① بعض تاریخ کی کتب میں موجود ہے کہ عباسی خلیفہ مامون نے اپنے ایک قاضی کی مدد سے یہ حکم صادر کیا تھا کہ جو لوگ قرآنِ مجید کو مخلوق نہیں سمجھتے اُنھیں سرکاری عہدوں سے ہٹا دیا جائے اور عدالت میں اُن کی گواہی نہ سنی جائے۔ (تاریخ قرآن، ص ۲۴۰)

دوسرے معنی پر دلالت کرے تو پھر اس معنی پر عمل کرنا چاہیے، لیکن ایسے شواہد جو مشکوک ہوں اُن سے پرہیز کرنا چاہیے۔ علاوہ ازیں قرآنِ مجید کی آیات کی تفسیر گمان وظن کی بنیاد پر نہیں کرنی چاہیے، مثلاً جب قرآنِ مجید یہ فرماتا ہے:

مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (سورۂ اسراء: آیت ۷۲)

"اور جو شخص اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا"۔

ہمیں یقین ہے کہ اس آیت کریمہ میں اعمٰی سے مراد ظاہری نابینا مراد نہیں ہے جو اعمٰی کا لغوی معنی ہے کیونکہ بہت سے نیک اور صالح لوگ بینائی و بصارت سے محروم تھے، بلکہ اس آیت کریمہ میں اعمٰی سے مراد باطنی اندھاپن ہے۔ یہاں پر عقلی قرینہ اس تفسیر کا باعث ہے۔

اس طرح قرآنِ مجید بعض اسلام دشمن لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے:

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ○ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۷۱)

"یہ بہرے، گونگے، اندھے ہیں پس اس وجہ سے یہ لوگ عقل سے بھی عاری ہیں"۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ قرآنِ مجید نے جن لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے وہ لوگ ظاہری طور پر بہرے، گونگے اور اندھے نہیں تھے بلکہ اس مذکورہ آیت میں اُن کے باطنی صفات کا تذکرہ ہے۔ (ہم نے یہ تفسیر اُن قرائن حالیہ کے پیشِ نظر کی ہے جو ہمارے سامنے موجود ہیں)۔

قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوْطَتٰنِ (سورۂ مائدہ: آیت ۶۴)
''یعنی خداوند تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں''۔

ارشادِ خداوندی ہے:
وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا (سورۂ ہود: آیت ۳۷)
''اے نوحؑ! ہماری آنکھوں کے سامنے کشتی بنائیے''۔

اِن آیات کا یہ مقصد بالکل نہیں ہے کہ خداوند تعالیٰ جسمانی اعضاء مثلاً کان، آنکھ اور ہاتھ رکھتا ہے کیونکہ ہر جسم اعضاء پر مشتمل ہوتا ہے اور زمان و مکان اور جہت کا محتاج ہوتا ہے اور آخرکار فنا ہو جاتا ہے حالانکہ خداوند تعالیٰ اِن صفات سے پاک و پاکیزہ ہے۔ لہٰذا ''يَدَاهُ'' سے مراد اُس کی قدرتِ کاملہ ہے کہ جس نے کائنات کو اپنے قبضے میں لے رکھا ہے اور ''اعینُ'' (آنکھوں) سے مراد تمام اشیاء کے بارے میں اُس کا علم ہے۔

لہٰذا ہم مذکورہ بالا الفاظ خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق ہوں یا کچھ اور ہوں، سے ہٹ کر عقلی اور نقلی قرائن سے چشم پوشی کو درست نہیں سمجھتے، کیونکہ دنیا کے تمام سخن وروں کی روش یہی رہی ہے کہ وہ اس طرح قرائن کا سہارا لیتے ہیں اور قرآن کریم نے بھی اس روش کی تائید کی ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ (سورۂ ابراہیم: آیت ۴)
''ہم نے ہر رسول کو اُس کی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا ہے''۔

لیکن جس طرح اس سے قبل ہم نے عرض کیا ہے کہ اِن قرائن کا واضح ہونا ضروری ہے۔

## تفسیر بالرائے کے خطرات

ہمارا عقیدہ ہے کہ تفسیر بالرائے قرآن کریم کے خلاف ایک انتہائی خطرناک منصوبہ ہے۔ احادیث کی رُو سے اِس کا شمار گناہانِ کبیرہ میں ہوتا ہے۔ ایسا فعل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے دھتکارے جانے کا سبب ہے۔

حدیث شریف ہے کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا آمَنَ بِيْ مَنْ فَسَّرَ بِرَأْيِهِ

"جو شخص میرے کلام کی تفسیر اپنی خواہشات کے مطابق کرے گا تو ایسا شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا"۔ (وسائل الشیعہ، ج ۱۶، ص ۲۸، حدیث ۲۲)

یہ بات واضح ہے کہ اگر وہ حقیقی صورت میں ایمان لاچکا ہوتا تو کلامِ خدا کو اسی طرح قبول کرتا جس طرح کہ وہ ہے، نہ کہ اِس طرح جس طرح اُس کی مرضی اور خواہش ہو۔

حدیث کی بہت سی مشہور کتابوں مثلاً صحیح ترمذی، نسائی، ابوداؤد وغیرہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث موجود ہے:

مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ أَوْ بِمَا لَهُ يَعْلَمُ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ [1]

"جو شخص قرآن مجید کی تفسیر اپنی مرضی سے کرے یا اس کے متعلق بغیر علم کے کوئی بات کہے تو وہ جہنم میں اپنا ٹھکانا بناتا ہے"۔

---

[1] مباحث فی علوم القرآن، ص ۳۰۴۔ یہ کتاب ریاض کے مشہور عالم مناع الخلیل القطان کی تصنیف ہے۔

تفسیر بالرائے سے مراد یہ ہے کہ آدمی اپنے ذاتی رجحانات اور فردی یا گروہی عقیدے کے مطابق قرآنِ مجید کا معنی کرے اور قرآنِ کریم کو اُن معانی پر منطبق کرے کہ اُن معانی پر کوئی قرینہ یا شاہد موجود نہ ہو۔ ایسا آدمی حقیقت میں قرآنِ مجید کا تابع نہیں ہے، بلکہ قرآن کو اپنا تابع بنانا چاہتا ہے۔ اگر وہ قرآن پر کامل ایمان رکھتا ہوتا تو اس طرح کا کام ہرگز نہ کرتا۔

اگر قرآنِ کریم کے سلسلے میں تفسیر بالرائے کا باب کھل جائے تو یہ بات یقینی ہے کہ قرآنِ مجید کا اعتبار ہی اُٹھ جائے اور ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق اس کا معنی کرنے لگے گا۔

تفسیر بالرائے کا معنی ومفہوم یہ ہے کہ قرآنِ مجید کی ایسی تفسیر کرنا جو لغوی معانی، عربی ادبیات اور اہلِ زبان کے فہم کے معیارات کے مطابق نہ ہو اور اپنے باطل خیالات اور ذاتی خواہشات کے مطابق قرآنِ مجید کی تفسیر کرنا قرآنِ مجید کی معنوی تحریف ہے۔

## تفسیر بالرائے کی اقسام

تفسیر بالرائے کی مختلف صورتیں ہیں۔ ان صورتوں میں سے ایک صورت قرآنی آیات کے متعلق انتخابی رویہ اپنانا ہے۔ وہ یوں ہے مثلاً شفاعت، توحید اور امامت جیسے موضوعات میں اُن آیات کے پیچھے جانا جو پہلے سے طے شدہ عقیدہ کے مطابق ہوں اور اُن آیات میں سے چشم پوشی اختیار کرنا جو اُس کے افکار ونظریات سے ہم آہنگ نہیں، لیکن دوسری آیات کی تفسیر کرسکتی ہیں۔ مختصر یہ کہ جس طرح قرآنِ مجید کے ظاہری الفاظ سے ہٹ کر معتبر عقلی ونقلی قرائن کو

## تفسیر بالرائے کے خطرات

ہمارا عقیدہ ہے کہ تفسیر بالرائے قرآن کریم کے خلاف ایک انتہائی خطرناک منصوبہ ہے۔ احادیث کی رُو سے اس کا شمار گناہانِ کبیرہ میں ہوتا ہے۔ ایسا فعل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے دھتکارے جانے کا سبب ہے۔

حدیث شریف ہے کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا اٰمَنَ بِیْ مَنْ فَسَّرَ بِرَأْیِهٖ

"جو شخص میرے کلام کی تفسیر اپنی خواہشات کے مطابق کرے گا تو ایسا شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا"۔ (وسائل الشیعہ، ج ۱۶، ص ۲۸، حدیث ۲۲)

یہ بات واضح ہے کہ اگر وہ حقیقی صورت میں ایمان لاچکا ہوتا تو کلامِ خدا کو اسی طرح قبول کرتا جس طرح کہ وہ ہے، نہ کہ اِس طرح جس طرح اُس کی مرضی اور خواہش ہو۔

حدیث کی بہت سی مشہور کتابوں مثلاً صحیح ترمذی، نسائی، ابوداؤد وغیرہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث موجود ہے:

مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِرَأْیِهٖ اَوْ بِمَا لَا یَعْلَمُ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ ①

"جو شخص قرآن مجید کی تفسیر اپنی مرضی سے کرے یا اس کے متعلق بغیر علم کے کوئی بات کہے تو وہ جہنم میں اپنا ٹھکانا بناتا ہے"۔

---

① مباحث فی علوم القرآن، ص ۳۰۴۔ یہ کتاب ریاض کے مشہور عالم مناع الخلیل القطان کی تصنیف ہے۔

تفسیر بالرائے سے مراد یہ ہے کہ آدمی اپنے ذاتی رجحانات اور فردی یا گروہی عقیدے کے مطابق قرآنِ مجید کا معنی کرے اور قرآنِ کریم کو اُن معانی پر منطبق کرے کہ اُن معانی پر کوئی قرینہ یا شاہد موجود نہ ہو۔ ایسا آدمی حقیقت میں قرآنِ مجید کا تابع نہیں ہے، بلکہ قرآن کو اپنا تابع بنانا چاہتا ہے۔ اگر وہ قرآن پر کامل ایمان رکھتا ہوتا تو اس طرح کا کام ہرگز نہ کرتا۔

اگر قرآنِ کریم کے سلسلے میں تفسیر بالرائے کا باب کھل جائے تو یہ بات یقینی ہے کہ قرآنِ مجید کا اعتبار ہی اُٹھ جائے اور ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق اس کا معنی کرنے لگے گا۔

تفسیر بالرائے کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ قرآنِ مجید کی ایسی تفسیر کرنا جو لغوی معانی، عربی ادبیات اور اہلِ زبان کے فہم کے معیارات کے مطابق نہ ہو اور اپنے باطل خیالات اور ذاتی خواہشات کے مطابق قرآنِ مجید کی تفسیر کرنا قرآنِ مجید کی معنوی تحریف ہے۔

## تفسیر بالرائے کی اقسام

تفسیر بالرائے کی مختلف صورتیں ہیں۔ ان صورتوں میں سے ایک صورت قرآنی آیات کے متعلق انتخابی رویہ اپنانا ہے۔ وہ یوں ہے مثلاً شفاعت، توحید اور امامت جیسے موضوعات میں اُن آیات کے پیچھے جانا جو پہلے سے طے شدہ عقیدہ کے مطابق ہوں اور اُن آیات میں سے چشم پوشی اختیار کرنا جو اُس کے افکار و نظریات سے ہم آہنگ نہیں، لیکن دوسری آیات کی تفسیر کرسکتی ہیں۔ مختصر یہ کہ جس طرح قرآنِ مجید کے ظاہری الفاظ سے ہٹ کر معتبر عقلی و نقلی قرائن کو

نظرانداز کر دینا ایک طرح کا انحراف ہے، اس طرح تفسیر بالرائے بھی ایک انحراف ہے۔ یہ دونوں چیزیں قرآنِ کریم کی عظیم تعلیم اور اُس کے اقدار سے دُوری کا سبب بنتی ہیں۔ غور فرمایئے۔

## کتاب اللہ سرچشمہ سنت

ہمارا عقیدہ ہے کہ کوئی آدمی کَفَانَا کِتَابُ اللہ (اللہ کی کتاب ہمارے لیے کافی ہے) نہیں کہہ سکتا اور رسولؐ اللہ کی احادیث اور ان کی سنت کو نظرانداز نہیں کرسکتا۔ کیونکہ رسول اللہ کی احادیث قرآنی حقائق کی تشریح، قرآنِ مجید کے ناسخ و منسوخ اور خاص و عام کی فہم و تفہیم کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ کیونکہ قرآنی آیات نے پیغمبر اکرم ﷺ کی سنت اور اُن کے افعال و اقوال کو مسلمانوں کے لیے حجت قرار دیا ہے اور اُنھیں اسلام اور احکام کے استنباط کا ایک اصلی ماخذ قرار دیا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۝

(سورۂ حشر: آیت ۷)

"اور رسولؐ جو تمھیں دے دیں وہ لے لو جس سے روک دیں اُس سے رُک جاؤ"۔

ایک اور مقام پر قرآنِ مجید میں ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ

اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا ○ (سورۂ احزاب:
آیت ۳۶)

"اور کسی مومن اور مومنہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جب اللہ اور
اُس کے رسولؐ کسی معاملے میں فیصلہ کریں تو انھیں اپنے
معاملے کا اختیار حاصل رہے اور جس نے اللہ اور اس کے
رسولؐ کی نافرمانی کی وہ صریح گمراہی میں مبتلا ہوگیا"۔

جو لوگ سنت رسولؐ کی پرواہ نہیں کرتے حقیقت میں وہ قرآن کی پرواہ نہیں کرتے، لیکن یہ بات واضح ہے کہ سنت پیغمبرؐ کا معتبر ذریعہ سے ثابت ہونا ضروری ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ جو بھی شخص آنحضرتؐ سے جو بات منسوب کرے اُسے بے چون وچرا قبول کرلیا جائے۔

حضرت امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ کُذِبَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ حَتّٰی قَالَ خَطِیْبًا فَقَالَ: مَنْ
کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں آپؐ کی طرف جھوٹی باتیں
منسوب کی گئیں یہاں تک کہ آپؐ نے کھڑے ہوکر خطبہ دیا
اور فرمایا: جس شخص نے میری طرف جھوٹی بات کی نسبت دی
اُس کا ٹھکانا جہنم ہے"۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۲۱۵)

اسی سے ملتی جلتی حدیث صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔ (صحیح بخاری، ج۱،ص ۳۸، باب من کذب علی النبی)

□□□

# ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام کی سنت

ہمارا عقیدہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام کی احادیث کی اطاعت بھی واجب ہے کیونکہ ایک تو یہ کہ فریقین کی مشہور و معروف کتب احادیث میں سے اکثر کتابوں میں ایک متواتر حدیث بیان ہوئی ہے جو اس امر کو صریحاً بیان کرتی ہے۔

صحیح ترمذی میں مذکور ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا اِنْ اَخَذْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا، كِتَابَ اللهِ وَعِتْرَتِي اَهْلَ بَيْتِي

"اے لوگو! میں تمھارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ اگر تم نے اُن سے تمسک رکھا تو میرے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے: ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت اہلِ بیت"۔ (صحیح ترمذی: ج ۵، ص ۶۶۲، باب مناقب اہلِ بیت النبی، حدیث ۳۷۸۶)

دوسری بات یہ ہے کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام نے اپنی تمام احادیث پیغمبر اکرمؐ سے روایت کی ہیں۔ انھوں نے فرمایا: ہم جو بات کہتے ہیں وہ ہمارے آباؤ اجداد کے ذریعے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہم تک پہنچی ہے۔

جی ہاں! رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کے مستقبل اور اُن کی مشکلات کو

واضح صورت میں دیکھ رہے تھے اس لیے آپؐ نے قرآن مجید اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کی پیروی کو رہتی دنیا تک ان کی روز افزوں مشکلات و مسائل کا حل قرار دیا۔

کیا اس قدر ایک اہم، بامعنی اور مستند حدیث کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور اس سے چشم پوشی کی جا سکتی ہے؟

ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر اس بات پر اور زیادہ توجہ دی جاتی تو آج کے مسلمان عقائد، تفسیر اور فقہی مسائل میں جن مشکلات سے دوچار ہیں آج ہرگز ان کا سامنا نہ کر رہے ہوتے!

# چوتھا باب

# قیامت اور اُخروی زندگی

## قیامت کے بغیر زندگی بے معنٰی اور بے مقصد ہے

ہمارا عقیدہ ہے کہ موت کے بعد تمام انسان ایک دن زندہ ہوں گے اور اُن کے اعمال و افعال کا حساب ہوگا۔ نیک اور صالح لوگ بہشتِ جاودان میں داخل ہوں گے اور گناہ گار اور بداعمال لوگ دوزخ میں داخل کیے جائیں گے۔

ارشاد خداوندی ہے:

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ لَیَجْمَعَنَّکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ لَا رَیْبَ فِیْہِ (سورۂ نساء: آیت ۸۷)

"اللہ کے علاوہ کوئی قابلِ پرستش نہیں، وہ تم کو قیامت کے دن ضرور اکٹھا کرے گا کہ جس میں ذرا بھی شک نہیں"۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

فَاَمَّا مَنْ طَغٰی ۝ وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ۝ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰی ۝ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی ۝ فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی ۝ (سورۂ نازعات: آیت ۳۱ تا ۳۷)

"اور جس نے سرکشی کی، اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اور جو شخص اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پیش ہونے کا خوف رکھتا ہے اور نفس کو خواہشات سے روکتا ہے

اس کا ٹھکانا یقیناً جنت ہے"۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ حقیقت میں یہ دنیا ایک پُل ہے جس سے گزر کر انسان نے عالمِ باقی کی طرف جانا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ دنیا اُخروی دنیا کے لیے ایک یونیورسٹی، بازارِ تجارت یا کھیتی ہے۔

حضرت امام علی علیہ السلام اس دنیا کے بارے میں فرماتے ہیں:

اِنَّ الدُّنْيَا دَارُ صِدْقٍ لِمَنْ صَدَقَهَا ، وَدَارُ عَافِيَةٍ لِمَنْ فَهِمَ عَنْهَا ، وَدَارُ غِنىً لِمَنْ تَزَوَّدَ مِنْهَا ، وَدَارُ مَوْعِظَةٍ لِمَنْ اِتَّعَظَ بِهَا مَسْجِدُ اَحِبَّاءِ اللّٰهِ وَمَتْجَرُ اَوْلِيَاءِ اللّٰهِ

"بلاشبہ دنیا اُس شخص کے لیے جو باور کرے سچائی کا گھر ہے اور جو اُس کی اِن باتوں کو سمجھے اس کے لیے امن و عافیت کی منزل ہے اور اُس سے زادِ راہ حاصل کرے اُس کے لیے دولت مندی کی منزل ہے اور جو اُس سے نصیحت حاصل کرے اُس کے لیے وعظ و نصیحت کا محل ہے۔ وہ دوستانِ خدا کے لیے عبادت کی جگہ، اللہ کے فرشتوں کے لیے نماز پڑھنے کا مقام، وحی الٰہی کی منزل اور اولیاء اللہ کی تجارت گاہ ہے"۔ (نہج البلاغہ، کلمات قصار، ۱۳۱)

## دلائلِ قیامت واضح ہیں

ہمارا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دلائل بہت واضح اور ظاہر و باہر ہیں کیونکہ:

① اس دنیا کی زندگی یہ بتاتی ہے کہ یہ دنیا انسانی تخلیق کا آخری مقصد نہیں ہوسکتا، کہ وہ چند دنوں کے لیے آئے، ہزاروں مشکلات میں زندگی بسر کرے اور اس کے بعد ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے یعنی راہئ عدم بن جائے۔

ارشاد خداوندی ہے:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ○ (سورۂ مومنون: آیت ۱۱۵)

"اور کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تمھیں عبث خلق کیا ہے اور تم ہماری طرف پلٹائے نہیں جاؤ گے"۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر قیامت نہ ہوتی تو دنیاوی زندگی عبث اور لغو ہوتی۔

② عدلِ خداوندی کا تقاضا یہ ہے کہ نیک اور بدکار لوگ جو اس دنیا میں ایک ہی صف میں کھڑے ہیں، بلکہ کبھی بدکار لوگ وسائلِ زندگی اپنے قبضے میں لے لیتے ہیں اور نیک لوگ اپنے حقوق سے محروم کر دیے جاتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے علاوہ ایک دوسرا ابدی جہان بنایا ہے تاکہ نیک اور بد ایک دوسرے سے جدا ہوں، تاکہ اپنے اپنے اعمال کی جزا یا سزا حاصل کریں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○ (سورۂ جاثیہ: آیت ۲۱)

"برائی کا ارتکاب کرنے والے کیا یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم

انھیں اور ایمان لانے والوں اور نیک اعمال بجالانے والوں کو
ایک جیسا بنائیں گے کہ ان کا جینا مرنا یکساں ہو جائے گا؟
برا فیصلہ ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں"۔

۲ خداوند تعالیٰ کی بے پایاں رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ اُس کے فیض اور نعمات کا سلسلہ انسان کی موت سے ختم نہ ہو بلکہ باصلاحیت اور اہل افراد کے تکامل کا سلسلہ آگے بڑھتا رہے۔

قرآنِ مجید میں آیا ہے:

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ (سورۂ انعام: آیت ۱۲)

"اس نے رحمت کو اپنے اُوپر لازم قرار دیا ہے، وہ تم سب کو قیامت کے دن ضرور بہ ضرور جمع کرے گا"۔

جو لوگ قیامت کے سلسلے میں شکوک و شبہات کے شکار تھے قرآنِ مجید اُن سے کہتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ مُردوں کو زندہ کرنے کے سلسلے میں تم خدا کی قدرت میں شک کرو حالانکہ تمھیں پہلی بار بھی اُس نے ہی پیدا کیا ہے اور جس ذات نے تمھیں پہلی بار مٹی سے پیدا کیا ہے وہی تمھیں ایک بار پھر دوسری زندگی کی طرف پلٹائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ○ (سورۂ قٓ: آیت ۱۵)

"کیا ہم پہلی بار کی تخلیق سے عاجز آگئے تھے؟ بلکہ یہ لوگ نئی تخلیق کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں"۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ○ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ○ (سورۂ یٰسین: آیت ۷۸-۷۹)

"پھر وہ ہمارے لیے مثالیں دینے لگتا ہے اور وہ اپنی خلقت بھول جاتا ہے اور کہنے لگتا ہے، ان ہڈیوں کو خاک ہونے کے بعد کون زندہ کرے گا؟"

علاوہ ازیں کیا زمین و آسمان کی خلقت کے مقابلے میں انسان کی تخلیق کوئی بڑی بات ہے؟ جو ہستی یہ طاقت و قدرت رکھتی ہے کہ اس قدر وسیع اور حیرت انگیز کائنات کو خلق کرسکتی ہے تو اُس کے سامنے انسانی تخلیق کوئی بڑی تو نہیں ہے۔ جس طرح اُس نے پہلے انسان کو پیدا کیا تو وہ اُسے مرنے کے بعد دوسری دفعہ بھی پیدا کرسکتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى بَلٰٓي اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (سورۂ احقاف: آیت ۳۳)

"کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو خلق فرمایا ہے اور جو اُن کے خلق کرنے سے عاجز نہیں آیا وہ اِس بات پر بھی قادر ہے کہ مُردوں کو زندہ کردے، وہ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے"۔

## معادِ جسمانی

ہمارا عقیدہ ہے کہ صرف انسانی روح دوسری دنیا میں نہیں جائے گی بلکہ انسانی جسم اور روح دونوں دنیائے آخرت میں جائیں گے۔ وہاں ایک نئی دنیا کا آغاز ہوگا کیونکہ اِس دنیا میں جو کچھ انجام پایا تھا وہ سب کچھ اس روح اور جسم کے ذریعے وجود میں آیا تھا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ جزا اور سزا دونوں کو ملے۔

قرآنِ کریم میں قیامت سے متعلق اکثر آیات میں "جسمانی معاد" کی بات کی گئی ہے۔ جب مخالفینِ قرآن نے اپنے اس تعجب کا اظہار کیا تھا کہ بوسیدہ ہڈیاں کس طرح نئی زندگی حاصل کریں گی؟ تو قرآن نے اُن کے جواب میں فرمایا:

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِيٓ اَنْشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ (سورۂ یٰسین: آیت ۷۹)

"کہہ دیجیے انھیں وہ زندہ کرے گا جس نے انھیں پہلی بار پیدا کیا تھا"۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ قیامت میں فرمایا:

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ○ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ○ (سورۃ القیامۃ: آیت ۳-۴)

"کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کریں گے؟ ہاں ضرور کریں گے ہم تو اس کی انگلیوں کی پور بنانے پر بھی قادر ہیں"۔

یہ مذکورہ آیات اور اس طرح کی دوسری آیات جسمانی معاد کو صریحاً بیان کرتی ہیں۔ وہ آیات کہ جن کا یہ مفہوم ہے کہ تمھیں تمھاری قبور سے اُٹھایا جائے

گا وہ بھی واضح طور پر جسمانی معاد پر دلالت کر رہی ہیں۔(سورۂ یٰسین: آیت ۵۱-۵۲،سورۂ قمر: آیت ۷،سورۂ معارج: آیت ۴۳)

قرآن مجید میں قیامت سے متعلق روحانی اور جسمانی دونوں معادوں کو بیان کیا گیا ہے۔

## دنیا بعد از موت

ہمارا عقیدہ ہے کہ موت کے بعد قیامت کا دن آئے گا پھر جنت اور جہنم کے سلسلے میں جو کچھ رونما ہوگا ہم اس کی عظمت کا اِس محدود دنیا میں اندازہ نہیں کر سکتے۔

ارشاد ربانی ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (سورۂ سجدہ: آیت ۱۷)

"اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ اُن کے اعمال کے صلے میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا سامان پردۂ غیب میں موجود ہے"۔

رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور ترین حدیث ہے:

اِنَّ اللهَ يَقُوْلُ اَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ مَالَا عَيْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ

"ارشاد خداوندی ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمات تیار کر رکھی ہیں کہ جنھیں کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا، کسی انسان کے دل میں اُن کا تصور

تک بھی نہیں آیا"۔ (بخاری، مسلم، تفسیر طبری، آلوسی، قرطبی)

حقیقت میں ہم اِس دنیا میں اس جنین کی مانند ہیں جو شکمِ مادر کی محدود دنیا میں رہ رہا ہو۔ اگر فرضاً عقل و ہوش بھی رکھتا ہو تو وہ ان حقائق کا اِدراک نہیں کرسکتا جو رحمِ مادر سے باہر کی دنیا میں موجود ہیں۔ مثلاً درخشاں سورج اور چاند، بادِ سحر، پھولوں کے مناظر اور سمندر کی لہروں کی آوازوں کو درک نہیں کرسکتا۔ قیامت کے مقابلے میں دنیا کی مثال ویسی ہی ہے جیسی دنیا کے معاملے میں جنین کی مثال ہے۔ (غور فرمایئے)

## میدانِ قیامت اور نامۂ اعمال

ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ اعمال نامے جو ہمارے اعمال کی نشاندہی کر رہے ہوں گے اُس دن ہمارے ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ نیک لوگوں کا نامۂ اعمال اُن کے دائیں ہاتھ میں جب کہ بُرے لوگوں کا نامۂ اعمال اُن کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ نیک اور مومن لوگ اپنا نامۂ اعمال دیکھ کر خوش ہوں گے۔ جب کہ بدکار لوگ اپنا نامۂ اعمال دیکھ کر بہت غمگین اور پریشان ہوں گے۔

قرآنِ مجید کا بیان ہے:

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ○ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ○ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ○ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ○ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ○ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ○
وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ

كِتٰبِيَهْ ○ (سورۃ الحاقہ: آیت ۱۹ تا ۲۵)

"پس جس کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ دوسروں سے کہے گا: لو میرا نامۂ اعمال یہ پڑھو، مجھے تو یقین تھا کہ مجھے اپنے حساب کا سامنا کرنا ہوگا، پس وہ ایک دل پسند زندگی میں ہوگا، بلند و بالا جنت میں، جس کے میوے قریب دسترس میں ہوں گے، اور جو کارگزاریاں تم گزشتہ ایام میں کر کے آگے بھیج چکے ہو اس کے صلہ میں خوشگواری کے ساتھ کھاؤ اور پیو، اور جس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا: اے کاش! مجھے میرا نامۂ اعمال نہ دیا جاتا"۔

البتہ یہ بات واضح نہیں کہ نامۂ اعمال کیا ہے اور کس طرح لکھا جاتا ہے۔ اُس کے اندر کی تحریر کو کوئی شخص جھٹلا نہیں سکے گا۔ چنانچہ پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے کہ معاد اور قیامت کی کچھ ایسی خصوصیات اور جزئیات ہیں جن کا اِدراک دنیا کے لوگوں کے لیے مشکل یا ناممکن ہے البتہ قیامت کے بارے میں موٹی موٹی باتیں سب کو معلوم ہیں اور یہ ناقابلِ انکار ہیں۔

## گواہانِ قیامت

ہمارا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ خود ہمارے اعمال پر گواہ اور شاہد ہے۔ اُس دن کچھ دوسرے گواہ بھی ہوں گے جو ہمارے اعمال پر گواہی دیں گے۔ ہمارے ہاتھ پاؤں، ہمارے بدن کی جلد اور یہ زمین ہمارے اعمال کی

گواہی دیں گے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی چیزیں ہمارے اعمال پر گواہ اور شاہد ہیں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ○ (سورۂ یٰسین: آیت ۶۵)

"آج ہم اُن کے منہ پر مہر لگا دیتے ہیں اور اُن کے ہاتھ ہم سے بولیں گے اور اُن کے پاؤں گواہی دیں گے اس کے بارے میں جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں"۔

سورۂ فصلت کا پیغام ہے:

وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَیْنَا قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ (آیت ۲۱)

"وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ وہ جواب دیں گی: اسی اللہ نے ہمیں گویائی دی ہے جس نے ہر چیز کو گویائی دی"۔

ارشادِ خداوندی ہے:

یَوْمَىٕذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ○ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ○ (سورۂ الزلزال: آیت ۴-۵)

"اُس دن وہ اپنے حالات بیان کرے گی کیونکہ اُس کے رب نے اُسے ایسا کرنے کا حکم دیا تھا"۔

## میزانِ اعمال اور پُلِ صراط

ہم قیامت کے دن پُلِ صراط اور میزان کی موجودگی پر ایمان رکھتے ہیں۔

صراط وہی پُل ہے جو جہنم کے اُوپر سے گزرتی ہے اور سبھی کو اِس سے گزرنا ہوگا۔

جی ہاں! جنت کا راستہ جہنم کے اُوپر سے گزرتا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ○
ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ○

(سورۂ مریم: آیت ۷۱-۷۲)

''اور تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہوگا جو جہنم پر وارد نہ ہو، یہ حتمی فیصلہ آپ کے رب کے ذمہ ہے۔ پھر ہم اہلِ تقویٰ کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل پڑا چھوڑ دیں گے''۔

اس خوف ناک اور مشکل ترین راستے سے گزرنا ہمارے اعمال سے وابستہ ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

مِنْهُمْ مَنْ يَّمُرُّ مِثْلَ الْبَرْقِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّمُرُّ مِثْلَ عَدْوِ الْفَرَسِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّمُرُّ حبوا وَمِنْهُمْ مَنْ يَّمُرُّ مَشْيًا وَمِنْهُمْ مَنْ يَّمُرُّ مُتَعَلِّقًا قَدْ تَاخُذُ النَّارُ مِنْهُ شَيْئًا وَتَتْرُكُ شَيْئًا

''کچھ لوگ بجلی کی طرح گزر جائیں گے، کچھ گھوڑے کی تیزی کے ساتھ۔ بعض لوگ ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل، کچھ

پیدل چلنے والوں کی طرح اور بعض اس طرح لنگ کی طرح چلیں گے۔ کبھی جہنم کی آگ اُن سے کچھ چیزیں لے لے گی اور کچھ چیزیں چھوڑ دے گی"۔ ①

## میزان

اس نام سے واضح ہے کہ یہ انسانوں کے اعمال جانچنے کا ایک ذریعہ ہے۔ جی ہاں اس دن ہمارے تمام اعمال کا حساب لیا جائے گا اور ہر عمل کے وزن اور قدر و قیمت کا علم ہو جائے گا۔

سورۂ انبیاء میں آیا ہے:

وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ○ (سورۂ انبیاء: آیت ۴۷)

"اور ہم قیامت کے دن عدل کا ترازو قائم کریں گے۔ پھر کسی شخص پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کسی کا عمل ہوا تو ہم اُسے اس کے لیے حاضر کر دیں گے اور حساب کرنے کے لیے ہم ہی کافی ہیں"۔

ارشاد خداوندی ہے:

---

① یہ حدیث معمولی سے فرق کے ساتھ فریقین کی کتب میں آئی ہے، مثلاً کنز العمال، حدیث ۳۶، ۳۹ اور قرطبی، ج ۶، ص ۲۱۷۵۔ شیخ صدوقؒ نے اپنی امالی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ روایت نقل کی ہے۔ (صحیح بخاری، ج ۸، ص ۱۳۶)

فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُہٗ ۝ فَھُوَ فِیۡ عِیۡشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ ۝
وَاَمَّا مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِیۡنُہٗ ۝ فَاُمُّہٗ ھَاوِیَۃٌ ۝ (سورۂ قارعہ: آیت ۶ تا ۹)

"پس جس کا پلہ بھاری رہے گا سو وہ من پسند زندگی میں ہوگا، اور جس کا پلہ ہلکا ہوگا، سو اُس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا"۔

جی ہاں! ہمارا عقیدہ ہے کہ اِس دنیا میں انسان کی نجات اور کامیابی کا دارومدار اُس کے اعمال پر ہے۔ انسان کی آرزوؤں اور اُس کے خیالات کے مطابق اُسے اُس کے اعمال کا صلہ ملے گا۔ نیکی اور تقویٰ کے بغیر کوئی کامیاب نہیں ہوگا۔

کُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا کَسَبَتۡ رَھِیۡنَۃٌ ۝ (سورۂ مدثر: آیت ۳۸)

"یعنی ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے گروی ہے"۔

میزان اور پُلِ صراط کے بارے میں یہ ایک مختصر سی وضاحت تھی۔ اگرچہ اُن کی تفصیلات کا ہمیں علم نہیں ہے۔ جس طرح کہ اس سے قبل ہم ذکر کر چکے ہیں کہ آخرت کی دنیا اِس دنیا سے بہت بڑی ہے جس میں ہم رہ رہے ہیں۔ لہٰذا اِس عالم کی تمام باتوں کا اِدراک ہم مادی دنیا کے قیدی انسانوں کے لیے ناممکن ہے۔

## روزِ قیامت اور شفاعت

ہمارا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن انبیاءؑ، ائمہ طاہرینؑ اور اولیاء اللہ، اللہ تعالیٰ کے اذن سے بعض گناہ گار لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے اور انھیں اللہ تعالیٰ کی بخشش مل جائے گی۔ یہ بات یاد رہے کہ یہ اذن صرف اُن لوگوں کے

لیے ہوگا کہ جن لوگوں نے اللہ اور اولیاء اللہ سے اپنا رابطہ قائم رکھا ہوگا۔ شفاعت مشروط ہے۔ شفاعت ہماری نیتوں اور اعمال سے ایک طرح کا تعلق رکھتی ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى (سورۂ انبیاء: آیت ۲۸)

"اور وہ فقط اُن لوگوں کی شفاعت کر سکتے ہیں جن سے اللہ راضی ہے"۔

جس طرح اِس سے قبل اشارہ کیا جاچکا ہے کہ "شفاعت" انسانوں کی تربیت کا ایک ذریعہ ہے اور گناہوں کی دنیا سے رُکنے کا ایک طریقہ ہے۔ نیز یہ اولیاء اللہ سے تعلقات اور روابط برقرار رکھنے کا ایک وسیلہ ہے۔ گویا یہ وسیلہ انسان سے یہ کہتا ہے کہ اگر تم سے کوئی گناہ ہو بھی گیا ہے تو اب یہیں سے لوٹ جاؤ اور پھر گناہ مت کرو۔

یہ تو یقینی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "شفاعتِ عظمیٰ" حاصل ہے۔ آپؐ کے بعد باقی تمام انبیاءؑ، ائمہ معصومینؑ، شہداء، علماء، صاحبانِ معرفت اور کامل مومنین کو بھی حقِ شفاعت حاصل ہے۔ علاوہ ازیں قرآنِ مجید اور اعمالِ صالحہ بھی بعض افراد کی شفاعت کریں گے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَا مِنْ اَحَدٍ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ اِلَّا وَهُوَ يَحْتَاجُ اِلٰى شَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

"اوّلین اور آخرین میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو قیامت کے دن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا محتاج نہ

ہو"۔ (بحارالانوار، ج ۸، ص ۴۲)

کنزالعمال میں ایک حدیث یوں پیغام دیتی ہے:

اَلشَّفَاعَةُ خَمْسَةٌ اَلْقُرْآنُ وَالرَّحِمُ وَالْاَمَانَةُ وَنَبِيُّكُمْ وَاَهْلُ بَيْتِ نَبِيِّكُمْ

"قیامت کے دن شفاعت کرنے والے پانچ ہوں گے:
① قرآن ② صلہ رحمی ③ امانت ④ تمھارے نبیؐ اور ⑤ تمھارے نبیؐ کے اہلِ بیت"۔ (کنزالعمال، ج ۱۴، ص ۳۹۰، حدیث ۳۹۰۴۱)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ بَعَثَ اللهُ الْعَالِمَ وَالْعَابِدَ فَاِذَا وَقَفَ بَيْنَ يَدَيِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ قِيْلَ لِلْعَابِدِ اِنْطَلِقْ اِلَى الْجَنَّةِ وَقِيْلَ لِلْعَالِمِ قِفْ تَشْفَعُ النَّاسَ بِحُسْنِ تَاْدِيْبِكَ (بحارالانوار، ج ۸، ص ۵۶، حدیث ۶۶)

"جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ عالم اور عابد کو اُٹھائے گا۔ جب وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑے ہوں گے تو عابد سے کہا جائے گا: جنت میں داخل ہو جاؤ اور عالم سے کہا جائے گا ٹھہرو اور جن لوگوں کی آپ نے اچھی تربیت کی تھی اُسی بنیاد پر اُن کی شفاعت کرو"۔

یہ حدیث فلسفۂ شفاعت کی طرف بھی لطیف اشارہ کر رہی ہے۔

□□□

# عالمِ برزخ

ہمارا عقیدہ ہے کہ اِس دنیا اور آخرت کے درمیان ایک تیسری دنیا بھی موجود ہے کہ جس کا نام "عالمِ برزخ" ہے۔ موت کے بعد قیامت تک تمام انسانی رُوحیں اِس عالم میں ٹھہریں گی۔

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ○ (سورۂ مومنون: آیت ۱۰۰)

"اور اُن کے پیچھے اُٹھائے جانے کے دن تک ایک برزخ حائل ہے"۔

یہ حقیقت ہے کہ ہم عالمِ برزخ کی جزئیات سے بھی ذرہ برابر آگاہی نہیں رکھتے اور نہ ہی ایسا ممکن ہے۔ ہم بس اتنا جانتے ہیں کہ نیک اور صالح لوگوں کی رُوحیں جو بلند درجات کی حامل ہیں جیسے شہداء کی رُوحیں، عالمِ برزخ میں بہت سی نعمتوں سے مستفید ہوتی ہیں:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ (سورۂ آل عمران: آیت ۱۶۹)

اور جو لوگ راہِ خدا میں مارے گئے ہیں قطعاً انہیں مُردہ نہ سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں"۔

ظالم لوگوں، متکبروں اور اُن کے حامیوں کی روحیں عالمِ برزخ میں عذاب

پائیں گی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرعون اور آلِ فرعون کے بارے میں آیا ہے:

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ○ (سورۂ مومن: آیت ۴۶)

"وہ لوگ صبح و شام آتشِ جہنم کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور جس دن قیامت برپا ہوگی"۔

ایک تیسرا گروہ بھی ہے کہ جس کے گناہ تھوڑے ہیں، وہ نہ اِس گروہ کے ساتھ ہیں اور نہ اُس گروہ کے ساتھ۔ وہ عذاب وسزا سے بچے رہیں گے۔ گویا وہ عالمِ برزخ میں نیند جیسی حالت میں ہوں گے اور قیامت کے دن بیدار ہوں گے:

وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ كَذٰلِكَ كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ ○ وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ فَهٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (سورۂ روم: آیت ۵۵-۵۶)

"اور جس روز قیامت برپا ہوگی مجرمین قسم کھائیں گے کہ وہ دنیا میں گھڑی بھر سے زیادہ نہیں رہے، اور جنھیں علم اور ایمان دیا گیا وہ کہیں گے: نوشتۂ خدا کے مطابق یقیناً تم قیامت تک رہے ہو اور یہی قیامت کا دن ہے لیکن تم جانتے نہیں تھے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْحُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ

''قبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے''۔ ①

## مادی اور معنوی انعامات

ہمارا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن ملنے والی جزا مادی پہلو بھی رکھتی ہے اور معنوی بھی کیونکہ جہاں معنوی معاد ہے وہاں جسمانی معاد بھی ہوگا۔

قرآن کریم اور احادیث نبویؐ میں بہشت کے باغات کے بارے میں کہا گیا ہے:

اللہ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (سورۂ توبہ: آیت ۸۹)

''ان درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی''۔

سورۂ رعد میں ہے:

اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا (آیت ۳۵)

جنت کے باغات کے پھل اور سائے ابدی ہوں گے''۔

وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ (سورۂ آل عمران: آیت ۱۵)

''اور مومن لوگوں کے لیے بہشت میں پاکیزہ بیویاں موجود ہوں گی''۔

---

① صحیح ترمذی: ج ۴، کتاب صفۃ القیامت، باب ۲۶، حدیث ۲۲۶۔ شیعہ ماخذ میں یہ حدیث کہیں حضرت امام علی علیہ السلام اور کہیں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے۔
(بحارالانوار، ج ۶، ص ۲۱۴، ۲۱۸)

یہ بھی یاد رہے کہ قرآنِ مجید اور احادیث میں جہاں جہنم کی جلانے والی آگ اور اس کی دردناک سزاؤں کا ذکر ہے وہ سب عالمِ آخرت کی جسمانی سزا اور جزا سے مربوط ہیں۔ لیکن ان سے بڑھ کر معنوی نعمات، معرفتِ الٰہی کے انوار، پروردگار کا روحانی قرب اور اُس کے جمال کے جلوے ہیں۔ یہ وہ روحانی لذتیں ہیں جو زبان و بیان کے ذریعے قابلِ توصیف و تعریف نہیں ہیں۔

قرآنِ مجید کی بعض آیات میں جنّت کی بعض مادی نعمتوں یعنی سرسبز و شاداب باغات اور پاکیزہ گھروں کے ذکر کے بعد ارشادِ خداوندی ہے:

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ (سورۂ توبہ: آیت ۷۲)

"خداوند تعالیٰ کی خوش نودی اور رضا سب سے بڑھ کر ہے"۔

اس کے بعد ارشادِ خداوندی ہے:

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (سورۂ توبہ: آیت ۷۲)

"یہی تو عظیم کامیابی ہے"۔

جی ہاں! اس سے بڑھ کر لذت بخش بات اور کون سی ہوگی کہ انسان یہ محسوس کرے کہ اُس کے عظیم اور پیارے معبود نے اُسے اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشا ہے اور اُسے اپنی خوش نودی و رضا کے سائے میں جگہ دی ہے؟

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت ہے:

يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى رِضَایَ عَنْكُمْ وَمَحَبَّتِیْ لَكُمْ خَيْرٌ وَّاَعْظَمُ مِمَّا اَنْتُمْ فِيْهِ.....

"خداوند تعالیٰ اُن سے فرمائے گا کہ تم سے میری خوش نودی

اور تم سے میری محبت اُن نعمتوں سے بہتر اور برتر ہیں جو تمہیں حاصل ہیں، وہ سب یہ باتیں سنیں گے اور اُس کی تصدیق کریں گے۔ (تفسیر عیاشی سورۂ توبہ کی آیت ۷۶ کی تفسیر کے ذیل میں روایت، المیزان، ج۹)

جی ہاں! اس سے بڑھ کر اور کون سی لذت ہوسکتی ہے کہ انسان سے کہا جائے:

يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً○ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ○ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ○ (سورۂ فجر، آیت ۲۷ تا ۳۰)

"اے نفسِ مطمئنہ! تو اپنے رب کی طرف پلٹ جا، اس حالت میں کہ تو اُس سے راضی ہو اور وہ تجھ سے راضی ہو، پس تو میرے بندوں کی صحت میں شامل ہوجا، اور میری جنت میں داخل ہوجا"۔

# پانچواں باب

# امامت

## ہر دور میں امامؑ کی موجودگی

ہمارا عقیدہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ انسانوں کی ہدایت کے لیے انبیاءؑ مبعوث کرے اسی طرح اُس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ ہر دور اور ہر زمانے میں انبیاء علیہم السلام کے بعد انسانوں کی ہدایت کے لیے اُن کی طرف کوئی امام اور رہبر بھیجے تاکہ وہ انبیاءؑ کی شریعتوں اور ادیانِ الٰہی کو تحریف و انحراف اور تغیر و تبدل سے بچائے اور اپنے دور کی ضروریات کو واضح کرے اور لوگوں کو خدا اور انبیاءؑ کے دین پر عمل کرنے کی دعوت دے۔ اگر ایسا نہ ہو تو انسانی آفرینش کا مقصد جو اُسے سعادت اور تکامل کی منزل تک پہنچاتا ہے، پورا نہیں ہوگا۔ انسان ہدایت کے راستے پر گامزن نہ ہو سکے گا۔ انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں ضائع ہوجائیں گی اور لوگ حیران و سرگردان ہوجائیں گے۔

اس لیے ہمارا عقیدہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہر دور اور ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی امام موجود رہا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ○ (سورۂ توبہ: آیت ۱۱۹)

"اے صاحبانِ ایمان! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہوجاؤ"۔

اس آیت کا کسی خاص دور سے تعلق نہیں ہے اور بلاچون و چرا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر زمانے میں ایک ایسا معصوم موجود ہے جس کی پیروی

ضروری ہے۔ بہت سے شیعہ اور سُنّی مفسرین نے اپنی تفاسیر میں اِس امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ①

## امامت کیا ہے؟

ہمارا عقیدہ ہے کہ امامت صرف ظاہری حکومت کا عہدہ نہیں ہے بلکہ ایک بلند روحانی اور معنوی منصب ہے۔ امام اسلامی حکومت کی قیادت کے ساتھ دین و دنیا کے معاملات میں ہمہ گیر ہدایت کا بھی ذمہ دار ہے۔ امام لوگوں کی روحانی اور فکری رہبری کرتا ہے۔ علاوہ ازیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعتِ مقدسہ کو جملہ تحریفات اور تغیر و تبدل سے محفوظ رکھتا ہے۔ امامؑ ان اہداف کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتا ہے کہ جن کے لیے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تھے۔

یہ وہی عظیم الشان منصب ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو رسالت و نبوت کا راستہ طے کرنے اور متعدد امتحانات میں کامیابی کے بعد عطا کیا۔ انھوں نے بھی اللہ کی بارگاہ میں اپنی ذُرّیت اور اولاد میں سے بعض کے لیے اس

---

① اس آیت پر سیر حاصل گفتگو کرنے کے بعد فخر الدین رازی نے کہا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس کسی سے بھی غلطی کا امکان ہو اُس کے لیے ضروری ہے کہ اس شخص کا پیروکار اور مطیع ہو جو معصوم ہو اور صاحبانِ عصمت وہ ہیں جنھیں اللہ نے صادقین کا لقب عطا کیا ہے۔ لہٰذا یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ ہر وہ شخص کہ جس سے خطا کا امکان ہے اُس پر واجب ہے کہ وہ معصوم کی اطاعت کرے۔ یہ مسئلہ تمام زمانوں میں جاری و ساری ہے۔ یہ کسی زمانے کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر وہ شخص کہ جس سے خطا کا امکان ہے اُس پر واجب ہے کہ وہ معصوم کی اطاعت کرے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر دور میں معصوم موجود ہے۔ (تفسیر کبیر، ج ۱۳، ص ۲۲)

عظیم منصب کی درخواست کی تھی اور اُنھیں یہ جواب ملا تھا کہ ظالم اور گناہ گار لوگ ہرگز اس منصب پر فائز نہیں ہو سکیں گے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ○ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۲۴)

"اور وہ وقت یاد کرو جب ابراہیمؑ کو اُن کے رب نے چند کلمات سے آزمایا اور انھوں نے پورا کر دکھایا۔ ارشاد ہوا: میں تمھیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ انھوں نے کہا: اور میری اولاد سے بھی؟ ارشاد ہوا: میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا"۔

یہ بات واضح ہے کہ اس قدر عظیم منصب کو صرف ظاہری حکومت سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ اگر عصمت کا مفہوم وہ نہ ہو جو ہم نے اُوپر بیان کیا ہے تو پھر مذکورہ بالا آیت کا کوئی واضح مفہوم نہیں رہے گا۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام اُولوالعزم انبیاءؑ کو امامت کا مرتبہ حاصل تھا۔ جو کچھ انھوں نے اپنی رسالت کے ذریعے پیش کیا، اس پر خود عمل کیا۔ وہ لوگوں کے معنوی، مادی، ظاہری اور باطنی رہبر تھے۔ خاص کر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اپنی نبوت کے آغاز ہی سے امامت اور رہبری کے عظیم مرتبے پر فائز تھے۔ اُن کا کام صرف اللہ کے احکام کو آگے پہنچانا نہیں تھا۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ پیغمبرؐ اسلام کے بعد امامت کا سلسلہ اُن کی پاکیزہ ذریت کی طرف منتقل ہو گیا اور یہ سلسلہ اُن کی اہل بیتؑ میں جاری ہے۔

امامت کی جو تعریف اُوپر کی گئی ہے اُس سے اچھی طرح سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام تک رسائی حاصل کرنا آسان کام نہیں ہے بلکہ یہ مقام دشواریوں اور شرائط کا حامل ہے، خواہ یہ تقویٰ کے لحاظ سے ہو یا علم و دانش کے لحاظ سے یا پھر انسانوں کی شناخت اور ہر زمانے میں اُن کی ضروریات کی معرفت کے حوالے سے ہو۔ (غور فرمایئے)

## امام معصوم ہوتا ہے

ہمارا عقیدہ ہے کہ امام کو ہر گناہ اور غلطی سے معصوم ہونا چاہیے۔ کیونکہ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں بیان شدہ امر کے علاوہ غیر معصوم شخص پر مکمل اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور اُس سے دین کے اُصول و فروع اخذ نہیں کیے جاسکتے۔ اس لیے ہمارا عقیدہ ہے کہ امام کی گفتگو، اُس کے افعال اور تقریر حجت اور شرعی دلیل ہیں۔ ①

## امام محافظِ شریعت ہیں

ہمارا عقیدہ ہے کہ امام ہرگز اپنے ساتھ کوئی شریعت یا دین لے کر نہیں آتا بلکہ اُن کی ذمہ داری پیغمبرؐ خدا کے دین کی حفاظت اور آپؐ کی شریعت کی نگہبانی ہے۔ اُن کا کام دین کی تبلیغ و تعلیم ہے۔ وہ دین کے محافظ ہوتے ہیں اور لوگوں کو دینِ اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

## امام اَعلَم ہوتے ہیں

ہمارا عقیدہ ہے کہ امام کو اسلام کے تمام اصول و فروع، احکام و قوانینِ

---

① تقریر سے مراد ہے کہ معصوم کے سامنے کوئی کام کیا جائے اور معصوم خاموش رہیں تو اس خاموشی کو معصوم کی تائید خیال کیا جاتا ہے۔

قرآن پر اُمت کے تمام لوگوں سے زیادہ عبور ہوتا ہے۔ وہ قرآن مجید کی تفسیر اور اُس کے معانی و مطالب کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ اُن کے علم کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور انھیں یہ علوم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں۔

جی ہاں! اس طرح کے علم پر ہی لوگوں کو مکمل اعتماد ہو سکتا ہے اور اسلام کے حقائق کو سمجھنے کے لیے اسی علم پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

## نصِ امامت

ہمارا عقیدہ ہے کہ امام کو منصوص ہونا چاہیے یعنی اُن کی امامت پیغمبرؐ خدا کے صریح اور واضح فرمان کے مطابق ہونی چاہیے اور بعد والے امام کے لیے پہلے امام کی تصریح ضروری ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ امامؑ بھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح خدا کی طرف سے پیغمبرؐ کے ذریعے متعین ہوتا ہے۔ جس طرح ہم نے حضرت ابراہیمؑ کی امامت سے متعلق آیت میں پڑھا ہے:

اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (سورۂ بقرہ: آیت ۱۲۴)

"میں نے آپ کو لوگوں کا امام بنایا ہے"۔

اِس کے علاوہ عصمت کی حد تک تقویٰ اور بلند علمی مقام جو تمام احکامات اور تعلیماتِ الٰہی پر ایسے احاطہ کی صورت میں ہو کہ جس میں غلطی اور اشتباہ کی گنجائش نہ ہو، کی موجودگی کا علم صرف خدا اور رسولؐ کے پاس ہی ہو سکتا ہے۔ اس تمام بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے عقیدے کے مطابق معصوم اماموں کی امامت لوگوں کی رائے سے حاصل نہیں ہوتی۔

## ائمہ کا تعین

ہمارا عقیدہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد والے ائمہ کو متعین فرمایا۔ مشہور و معروف حدیث ثقلین میں آنحضرتؐ نے اماموں کا اجمالی ذکر فرمایا ہے۔

صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے مکہ اور مدینہ کے درمیان ''غدیر خم'' نامی مقام پر کھڑے ہو کر ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس خطبہ کے بعد آپؐ نے فرمایا: میں عنقریب تم لوگوں سے جدا ہو جاؤں گا۔

اِنِّی تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْن ، اَوَّلُهُمَا کِتَابُ اللهِ فِیْهِ الْهُدٰی وَالنُّوْرُ ..... وَاَهْلُ بَیْتِیْ اُذَکِّرُوا اللهَ فِیْ اَهْلِ بَیْتِیْ

''میں تمھارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، ان میں سے پہلی چیز کتاب اللہ ہے جس میں نور اور ہدایت ہے اور دوسری چیز میرے اہلِ بیتؑ ہیں، میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں کہ میرے اہلِ بیتؑ کے سلسلے میں اللہ کو فراموش نہ کرنا''۔ (یہ جملہ پیغمبرؐ نے تین مرتبہ دہرایا)۔

یہ حدیث صحیح ترمذی میں بھی موجود ہے اور صریحاً مذکور ہے کہ اگر ان دونوں سے تم نے تمسک رکھا تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

یہ حدیث سنن داؤد، خصائص نسائی، مسند احمد اور دیگر مشہور و معروف اسلامی کتب میں مذکور ہے۔ اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔ حقیقت میں اس حدیث کا شمار اُن متواتر احادیث میں ہوتا ہے کہ جن کا انکار کوئی مسلمان نہیں کرسکتا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ

نہیں بلکہ کئی مرتبہ مختلف مواقع پر یہ حدیث بیان فرمائی ہے۔

واضح سی بات ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت کے تمام لوگ اس عظیم مرتبے کے حامل اور قرآن مجید کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا یہ پیغمبرؐ کی ذریت میں سے فقط معصوم اماموںؑ کی طرف اشارہ ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ ضعیف احادیث میں اَھْلُ بَیْتِیْ کی جگہ سُنَّتِی مذکور ہے۔

اس سلسلے میں ہم ایک معروف حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو صحیح بخاری، صحیح مسلم (ج ۴، ص ۱۸۷۳)، صحیح ترمذی (ج ۵، ص ۶۶۲)، سنن داؤد (ج ۲، ص ۴۲۳)، خصائص نسائی (ص ۲۰)، مسند احمد (ج ۵، ص ۸۶) میں مذکور ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا یَزَالُ الدِّیْنُ قَائِمًا حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَۃُ اَوْ یَکُوْنَ عَلَیْکُمْ اِثْنَتٰی عَشَرَ خَلِیْفَۃً کُلُّھُمْ مِنْ قُرَیْشٍ

"دینِ اسلام ہمیشہ قائم رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے یا بارہ خلفاء تم پر حکومت کریں۔ یہ خلفاء بھی قریش سے ہوں گے"۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ اِن روایات کی قابلِ قبول تفسیر صرف وہی ہو سکتی ہے جو بارہ اماموں کے متعلق شیعہ امامیہ نے کی ہے۔ غور فرمائیے کہ کیا اِس کے علاوہ کوئی اور معقول تفسیر ہو سکتی ہے۔

## حضرت امام علی علیہ السلام کی جانشینی

ہمارا عقیدہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد مقامات پر حضرت امام

علی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنا جانشین وخلیفہ معین فرمایا۔

جب آپؐ حجۃ الوداع سے لوٹ رہے تھے تو آپؐ نے غدیر خم میں صحابہ کرام کے عظیم اجتماع میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

اَیُّهَا النَّاسُ اَلَسْتُ اَوْلٰی بِکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ قَالُوْا بَلٰی، قَالَ: فَمَنْ کُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاهُ

"اے لوگو! کیا میں تم پر تمھاری جانوں پر تمھاری نسبت زیادہ اختیار نہیں رکھتا؟ انھوں نے جواب دیا: جی ہاں کیوں نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: پس جس کا میں مولا ہوں اس کے علیؑ مولا ہیں"۔ [1]

## ایک جامع بحث

ہم چاہتے ہیں کہ ان عقائد کے مزید دلائل بیان کریں اور بحث وتمحیص کو طول دیں۔ لہٰذا ہم یہی کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ مذکورہ حدیث کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور نہ اسے معمولی سی خوش نودی یا محبت کے اظہار پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شاندار اہتمام اور تاکید کے ساتھ اِسے بیان فرمایا۔

کیا یہ وہی چیز نہیں ہے کہ جس کا ابن کثیر نے اپنی تاریخ الکامل میں ذکر

---

[1] یہ حدیث مختلف اسناد سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوئی ہے۔ اس حدیث کے راویوں کی تعداد ۱۱۰ ہیں۔ ۸۴ تابعین ہیں، ۳۶۰ سے زیادہ اسلامی کتابوں میں منقول ہے جس کی تفصیل اس مختصری کتاب میں بیان نہیں کی جاسکتی۔ (پیام قرآن، ج۹، ص ۱۸۱)

کیا ہے کہ پیغمبرؐ اسلام نے اپنی تبلیغ کا آغاز قرآنِ کریم کی آیت وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ کے نزول کے بعد اپنے عزیزوں کو جمع کیا اور اُن کے سامنے اسلام پیش کرنے کے بعد فرمایا:

اَیُّکُمْ یُوَازِرُنِیْ فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ عَلٰی اَنْ یَّکُوْنَ اَخِیْ وَوَصِیِّیْ وَخَلِیْفَتِیْ فِیْکُمْ

”تم میں سے کون ہے جو اس کام میں میری نصرت کرے تاکہ وہ میرا بھائی، میرا وصی اور تمہارے درمیان میرا خلیفہ و جانشین ہو؟“

اس مجلس میں حضرت امام علی علیہ السلام کے علاوہ کسی نے بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ امام علی علیہ السلام نے عرض کیا تھا:

اَنَا یَا نَبِیَّ اللّٰهِ اَکُوْنُ وَزِیْرَکَ عَلَیْهِ

”اے اللہ کے نبی! میں اس کام میں آپؐ کا وزیر اور مددگار بنوں گا“۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؑ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا:

اِنَّ هٰذَا اَخِیْ وَوَصِیِّیْ وَخَلِیْفَتِیْ فِیْکُمْ

”یہ میرے بھائی ہیں، میرے وصی ہیں اور تمہارے درمیان میرے خلیفہ و جانشین ہیں“۔[1]

کیا یہ وہی مسئلہ نہیں ہے کہ جس کا اعلان پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی عمر

---

① کامل: [illegible] ص ۶۳۔ [illegible] مسند احمد بن حنبل: ج۱، ص ۱۱۱۔ شرح نہج البلاغہ ابن [illegible] ص ۲۱۰۔ مگر [illegible] نے بھی اپنی کتابوں میں اس [illegible] ذکر کیا ہے۔

شریف کے آخری حصّہ میں ایک بار پھر کرنا چاہتے تھے اور اُس کی تاکید کرنا چاہتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِیْتُوْنِیْ اَکْتُبْ کِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ اَبَدًا

"کاغذ قلم لے آؤ تاکہ میں تمھارے لیے ایسی چیز لکھ دوں جس کے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے"۔

اسی حدیث میں مذکور ہے کہ بعض حضرات نے اس سلسلہ میں پیغمبرؐ خدا کی مخالفت کی یہاں تک کہ بہت ہی توہین آمیز بات کی اور پیغمبرؐ کے تحریر لکھوانے میں رکاوٹ بن گئے۔ (بخاری: ج ۵، باب مرض النبی، صحیح مسلم، ج ۳، ص ۱۲۵۹)

ہم ایک بار پھر اِس بات کا تکرار کریں گے۔ یہاں ہمارا مقصد عقائد کو مختصر سے استدلال کے ساتھ بیان کرنا ہے اور زیادہ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے ورنہ گفتگو کا انداز کچھ اور ہوتا۔

## تائیدِ امامت

ہمارا عقیدہ ہے کہ بارہ اماموںؑ میں سے ہر ایک کی تائید اُس سے پہلے والے امامؑ کے ذریعے ہوتی ہے۔

سب سے پہلے امام حضرت علی علیہ السلام ہیں، اُن کے بعد اُن کے فرزند ارجمند حضرت امام حسن علیہ السلام، اُن کے بعد حضرت امام علی علیہ السلام کے دوسرے فرزند حضرت امام حسین علیہ السلام، اُن کے بعد اُن کے فرزند حضرت علی بن الحسین علیہ السلام، اُن کے بعد اُن کے فرزند حضرت امام محمد باقر علیہ السلام، اور اُن کے بعد اُن کے فرزند حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام، پھر اُن کے بعد اُن کے فرزند حضرت موسیٰ بن

جعفر علیہ السلام، اُن کے بعد اُن کے بیٹے حضرت علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام، پھر اُن کے بیٹے حضرت محمد تقی علیہ السلام، پھر علی نقی علیہ السلام، اُن کے بعد اُن کے بیٹے حضرت حسن بن علی عسکری علیہ السلام اور سب سے آخری امام حضرت محمد بن حسن مہدی علیہ السلام ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ اب بھی حیات ہیں لیکن پردۂ غیبت میں ہیں۔

آخری امام حضرت امام مہدی علیہ السلام دنیا کو عدل و انصاف سے پُر کردیں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے پُر ہو چکی ہوگی۔ اُن پر ایمان صرف ہمارے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ تمام مسلمان اُن پر ایمان رکھتے ہیں۔ بعض سُنّی علماء نے حضرت امام مہدی علیہ السلام سے متعلق روایات کے متواتر ہونے پر الگ کتاب لکھی ہے۔

''رابطہ العالم الاسلامی'' کی طرف سے شائع ہونے والے رسالے میں چند سال قبل امام مہدی علیہ السلام سے متعلق ایک سوال کے جواب میں امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کو حتمی قرار دیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں حضرت مہدی علیہ السلام کے متعلق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور و مستند روایات کے کافی سارے اسناد کا ذکر ہوا ہے۔ [1] البتہ ان میں سے بعض اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت مہدی علیہ السلام آخری زمانے میں پیدا ہوں گے۔ لیکن ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ بارھویں امامؑ ہیں اور اب بھی زندہ ہیں اور جب اللہ تعالیٰ اُن کے وجودِ مقدس سے زمین سے ظلم و جور کا خاتمہ کرے گا اور عدلِ الٰہی کی حکومت کے قیام کا حکم دیں گے تو وہ خروج فرمائیں گے۔

---

[1] یہ خط ۲۴ شوال ۱۳۹۶ھ کو رابطۃ العالم الاسلامی سے مجمع الفقہ الاسلامی کے ڈائرکٹر محمد المنتصر الکتانی کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

## حضرت امام علی علیہ السلام کی فضیلت

ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت امام علی علیہ السلام تمام صحابہ سے افضل ہیں۔ پیغمبرؐ خدا کے بعد اُمت مسلمہ میں آپؑ کو تمام لوگوں پر فضیلت حاصل ہے جو مقام و مرتبہ اُمت میں آپؑ کو حاصل ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔ باوجود اِس فضیلت کے اُن کے بارے میں ہر قسم کا غلو حرام ہے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ جو لوگ حضرت امام علی علیہ السلام کے لیے مقامِ اُلوہیت، ربوبیت یا اِس طرح کی کسی اور بات کے قائل ہیں وہ کافر ہیں اور اسلام سے خارج ہیں۔ ہم اُن کے عقائد سے بیزار ہیں۔ افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ کچھ لوگ مکتب شیعہ خیر البریہ کی طرف اِن غلط عقائد کی نسبت دیتے ہیں حالانکہ شیعہ امامیہ کے علمائے کرام نے ہمیشہ اپنی کتابوں میں اِس گروہ کو اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔

□□□

# صحابہ اور عقل و تاریخ کی عدالت

ہمارا عقیدہ ہے کہ پیغمبر ﷺ کے اصحاب میں وہ لوگ تھے جو جان نثاری اور عظمت میں اپنی مثال آپ تھے۔ قرآنِ مجید اور حدیث شریف میں اُن کے بے پناہ فضائل موجود ہیں لیکن اس بات کا یہ مفہوم بھی نہیں ہے کہ ہم تمام اصحابِ پیغمبرؐ کو معصوم ماننے لگیں اور کسی استثناء کے بغیر اُن کے اعمال کو درست قرار دیں کیونکہ قرآن نے بہت سی سورتوں جیسے سورۂ توبہ، سورۂ نور اور سورۂ منافقون کی آیات میں ایسے منافقین کا ذکر کیا ہے جو اصحابِ پیغمبرؐ میں شامل تھے۔ ظاہراً وہ اُن کا حصّہ تھے لیکن اِس کے باوجود قرآنِ مجید نے اُن کی بہت زیادہ مذمت کی ہے۔

دوسری طرف سے بعض ایسے لوگ تھے جنھوں نے پیغمبرؐ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کی آگ بھڑکائی۔ اُنھوں نے وقت کے امام اور خلیفہ کی بیعت توڑی اور لاکھوں مسلمانوں کا خون بہایا۔ کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ لوگ ہر لحاظ سے پاک و منزہ تھے بالفاظِ دیگر جنگِ جمل اور صفّین کے دونوں فریقوں کو کس طرح صحیح اور درست کہا جا سکتا ہے؟ یہ تضاد ہمارے ہاں قابلِ قبول نہیں ہے۔ کچھ لوگ اس مسئلے کی توجیہ کے لیے "اجتہاد" کے بہانے کو کافی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک فریق حق پر تھا اور دوسرا خطا کار۔ چونکہ اس نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا تھا [illegible]

ملے گا۔ ہمارے لیے اس استدلال کو قبول کرنا مشکل ہے۔

اجتہاد کا بہانہ بنا کر پیغمبرؐ خدا کے جانشین کی بیعت کیسے توڑی جا سکتی ہے اور پھر جنگ کی آگ بھڑکا کر بے گناہ لوگوں کا خون کیسے بہایا جا سکتا ہے؟ اگر اجتہاد کا سہارا لے کر اِس قدر بے تحاشا خونریزی کی توجیہ و تاویل کی جا سکتی ہے تو پھر کون سا ایسا کام نہیں کہ جس کی توجیہ و تاویل نہ ہو سکے؟

ہم واضح الفاظ میں کہیں گے کہ ہمارے عقیدہ کی رُو سے تمام انسانوں یہاں تک کہ پیغمبرؐ اسلام کے اصحاب کی بھلائی و غیر بھلائی کا دارومدار اُن کے اعمال پر ہے۔ قرآنِ مجید کا یہ زریں اصول اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ "تم میں سے خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے"۔ (سورۂ حجرات: آیت ۱۳)

لہٰذا ہمیں اُن کے اعمال سامنے رکھ کر اُن کے بارے میں فیصلہ کرنا ہوگا۔ یوں ہم اُن سب کے بارے میں ایک منطقی مؤقف اختیار کرتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مخلص اصحاب کی صف میں شامل تھے اور پیغمبرؐ خدا کی رحلت کے بعد بھی وہ اسلام کی حفاظت میں کوشاں رہے اور قرآنِ کریم کے ساتھ اپنے وعدے کو نبھاتے رہے ہم اُنھیں اچھا سمجھتے ہیں اور اُن کا دل و جان سے احترام کرتے ہیں لیکن وہ لوگ جو رسول اکرمؐ کے زمانے میں منافقین کے گروہ میں شامل تھے اور انھوں نے پیغمبرؐ اسلام کا دلِ مبارک دُکھایا اور آپؐ کی رحلت کے بعد اپنا راستہ تبدیل کر لیا اور ایسے کام کیے جو اسلام اور مسلمانوں کے لیے نقصان دہ تھے تو ہم اُنھیں اچھا نہیں مانتے۔

قرآن کا ارشاد ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ

(سورۂ مجادلہ: آیت ۲۲)

"آپ کبھی ایسے افراد نہیں پائیں گے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھنے والے بھی ہوں لیکن اللہ اور اُس کے رسولؐ کے دشمنوں سے محبت رکھتے ہوں خواہ وہ اُن کے باپ یا اُن کے بیٹے یا اُن کے بھائی یا اُن کے خاندان والے ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان کو ثبت کر دیا ہے"۔

جی ہاں! پیغمبرؐ کی زندگی میں یا اُن کی رحلت کے بعد انھیں تکلیف پہنچاتے رہے۔ وہ لوگ ہمارے عقیدے کے مطابق قابلِ احترام نہیں ہیں۔

لیکن یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ پیغمبرؐ خدا کے کچھ اصحاب نے اسلام کی ترقی کے لیے بے پناہ قربانیاں دیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اُن کی تعریف تمجید بیان فرمائی ہے۔ اس طرح جو لوگ اُن کے بعد آئے یا دنیا کے خاتمے تک آتے رہیں گے، اگر وہ حقیقی اصحاب کے راستے پر چلتے ہوئے اُن کے مشن کو آگے بڑھائیں گے وہ بھی تعریف و مدح کے لائق ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (سورۂ توبہ: آیت ۱۰۰)

"اور مہاجرین و انصار میں سے جن لوگوں نے سب سے

پہلے سبقت کی اور جو نیک چال چلن میں اُن کے پیرو ہوئے
اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے"۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کے متعلق ہمارے عقیدے کا خلاصہ یہی ہے جو ابھی پیش ہوا ہے۔

## اہلِ بیت علیہم السلام کے علوم کا ماخذ

ہمارا عقیدہ ہے کہ متواتر روایات سے یہ ثابت ہے کہ پیغمبرؐ اسلام نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم قرآنِ مجید اور اہلِ بیت علیہم السلام کے دامن سے متمسک رہیں اور ان دونوں کا دامن کبھی نہ چھوڑیں تاکہ ہم ہدایت پائیں۔ چونکہ ہم آئمہ اہلِ بیت علیہم السلام کو معصوم سمجھتے ہیں اس لیے اُن کی ہر بات اور اُن کا ہر عمل ہمارے لیے حجت اور دلیل ہے۔ اسی طرح اُن کی تقریر بھی حجت ہے۔ قرآن و سنت کے بعد ہمارا فقہی ماخذ ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام کا قول، فعل اور تقریر ہے۔

چونکہ متعدد اور معتبر روایات کے مطابق ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ ہمارے فرمودات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثقہ اور با اعتماد شخص کی روایت تمام علمائے اسلام کے نزدیک قابلِ قبول ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے فرمایا:

يَا جَابِرُ اِنَّا لَوْ كُنَّا نُحَدِّثُكُمْ بِرَاْيِنَا وَهُوَ اَنَا لَكُنَّ مِنَ الْهَالِكِيْنَ، وَلٰكِنَّ نُحَدِّثُكُمْ بِاَحَادِيْثِ نَكْنِزُهَا عَنْ رَسُوْلِ اللهِ (جامع احادیث الشیعہ، ج۱، ص۱۱۸ از مقدمات حدیث)

"اے جابرؓ! اگر ہم اپنی رائے اور خواہشاتِ نفسانی کی بنا پر تمھارے لیے کوئی بات بیان کردیں تو ہم تباہ ہونے والے لوگوں میں شامل ہوجائیں گے لیکن ہم تمھارے لیے ایسی احادیث نقل کرتے ہیں جو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خزانے کی صورت میں جمع کی ہیں"۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی بارگاہ میں کسی آدمی نے سوال کیا۔ آنحضرتؑ نے اُسے جواب دیا: اُس آدمی نے امام کی رائے تبدیل کرنے کی غرض سے بحث شروع کردی تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

مَا اَجَبْتُكَ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ

"میں نے تجھے جو جواب دیا ہے وہ پیغمبرؐ سے منقول ہے (اس میں بحث کی گنجائش نہیں ہے)۔ (اصولِ کافی، ج ۱، ص ۸۵، حدیث ۱۲۱)

قابلِ غور اور اہم نکتہ یہ ہے کہ حدیث کے سلسلے میں ہمارے پاس "کافی، تہذیب، استبصار، من لایحضرہ الفقیہ اور دوسری معتبر کتب موجود ہیں لیکن ہماری نظر میں ان ماخذ کے معتبر ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان میں موجود ہر روایت ہماری نظر میں قابلِ قبول ہے بلکہ روایات سے متعلق کتب کے ساتھ ہمارے پاس علمِ رجال کی کتب بھی موجود ہیں جن میں ہر طبقے کے راویانِ احادیث پر بحث کی گئی ہے۔

ہمارے نزدیک وہ روایت قابلِ قبول ہے جس کی سند میں مذکور تمام افراد ثقہ اور قابلِ اطمینان ہوں، لہٰذا اِن مشہور اور معتبر کتابوں میں جو روایات اس

شرط کی حامل نہ ہوں وہ ہمارے ہاں قابلِ قبول نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ممکن ہے کہ کوئی روایت ایسی ہو جس کا سلسلۂ سند بھی معتبر ہو لیکن آغاز سے لے کر آج تک ہمارے بزرگ علماء اور فقہاء نے اُسے نظر انداز کیا ہو اور اُس پر عمل نہ کیا ہو اور انھیں اس میں کچھ دیگر نقائص نظر آئے ہوں۔ اس قسم کی روایت کو ”معرض عنھا“ کہتے ہیں۔ ایسی روایت ہماری نظر میں معتبر نہیں ہے۔

اس لیے یہ بات واضح ہے کہ جو لوگ ہمارا عقیدہ جاننے کے لیے فقط اور فقط اِن کتابوں میں موجود کسی ایک روایت یا مختلف روایات کا سہارا لیتے ہیں۔ بغیر اس کے کہ روایت کی سند کے بارے میں کوئی تحقیق کریں اُن کا طریقۂ کار غلط ہے۔

بعض معروف اسلامی فرقوں میں ”صحاح“ کے نام سے کتب موجود ہیں جن میں موجود روایات کا صحیح ہونا اِن کتابوں کے مؤلفین و مصنفین کے نزدیک ثابت ہے۔ نیز دوسرے لوگ بھی اِن روایات کو صحیح سمجھتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک موجود معتبر کتابیں اِس طرح نہیں ہیں۔ یہ ایسی کتابیں ہیں جن کے مصنفین معروف اور قابلِ اعتماد شخصیات ہیں۔ لیکن اِن کتابوں میں موجود روایات کی سند کا صحیح ہونا علمِ رجال کی کتب کی روشنی میں راویوں کی تحقیق پر موقوف ہے۔

مذکورہ بالا نکتے کی طرف توجہ ہمارے عقائد کے متعلق پیدا ہونے والے بہت سے سوالوں کا جواب دے سکتی ہے۔ جس طرح اس سے بے توجہی ہمارے عقائد کی پہچان کے سلسلے میں بہت سی غلط فہمیوں کو جنم دے سکتی ہے۔

بہرحال قرآنِ مجید کی آیات اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کے بعد ہماری نظر میں بارہ اماموں کی احادیث معتبر ہیں۔ شرط یہ ہے کہ آئمہ علیہم السلام سے ان احادیث کا صدور معتبر طریقہ سے ثابت ہو۔

# چھٹا باب

# مختلف مسائل

گذشتہ ابواب میں جو کچھ آپ نے پڑھا ہے اُس نے ہمارے نظریاتی اور اعتقادی اُصولوں کو واضح کردیا ہے۔ انھیں اسلامی عقائد کے ساتھ ساتھ ہمارے عقائد کی کچھ اور خاص باتیں بھی ہیں جو اِس باب میں بیان کی جارہی ہیں:

## مسئلہ حُسن وقبح عقلی

ہمارا عقیدہ ہے کہ انسانی عقل بہت سی اشیاء کی اچھائی اور برائی و حُسن وقبح کا اِدراک کرسکتی ہے۔ خوب و بد کی پہچان وہ طاقت وصلاحیت ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہے۔ آسمانی شریعتوں کے نازل ہونے سے قبل بھی بعض اُمور عقل کی بدولت انسانوں کے لیے واضح تھے مثلاً عدل اور نیکی کو پسند کیا جاتا تھا۔ ظلم وستم سے نفرت تھی۔ شجاعت وسخاوت، ہدایت و امانت جیسی بہت سی اخلاقی صفات قابلِ تعریف تھیں لیکن جھوٹ، خیانت، بخل اور اِس طرح کی دوسری صفات کو ناپسند کیا جاتا تھا لیکن یہ وہ تمام اُمور ہیں جنھیں عقل درک کرتی ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ عقل تمام اشیاء کی اچھائی و برائی کو سمجھنے سے عاجز ہے اور انسان کی معلومات محدود ہیں۔ اس لیے ادیانِ الٰہی، آسمانی کتب اور انبیاءؑ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِس امر کی تکمیل کے لیے بھیجے گئے تاکہ وہ عقلی اِدراکات کی بھی تائید کریں اور ان تاریک گوشوں کو بھی نمایاں کریں کہ جن کے اِدراک سے عقل عاجز ہے۔

اگر ہم حقائق کی شناخت کے سلسلے میں عقل کی ذاتی صلاحیت کے سرے ہی سے منکر و مخالف ہو جائیں تو پھر توحید، خدا شناسی، بعثتِ انبیاءؑ اور آسمانی ادیان کی بات ہی ختم ہو جائے گی کیونکہ وجودِ خدا کا اثبات اور دعوتِ انبیاءؑ کی حقانیت صرف عقل کے ذریعے ہی قابلِ اثبات ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ شرعی تعلمات اسی صورت میں ہی قابلِ قبول ہیں جب یہ دو اصول توحید و نبوت پہلے عقلی دلیل کے ذریعے ثابت ہو چکے ہوں کیونکہ صرف شرعی دلیل کے ذریعے اِن دونوں موضوعات کا اثبات ناممکن ہے۔

## عدالتِ الٰہیہ

مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر ہم خدا کے عادل ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اس بات کو محال سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم و ستم کرے یا بلاوجہ کسی کو سزا دے یا بلاوجہ کسی کو معاف کر دے۔ یہ محال ہے کہ وہ اپنا وعدہ وفا نہ کرے اور اُس سے یہ بھی محال ہے کہ وہ بُرے اور خطاکار شخص کو اپنی طرف سے نبوت اور رسالت کا منصب و مقام عطا فرمائے اور اُسے معجزات سے نوازے۔ نیز یہ بھی محال ہے کہ اُس نے اپنے جن بندوں کو سعادت کا راستہ طے کرنے کے لیے پیدا فرمایا ہے اُنھیں کسی راہنما اور رہبر کے بغیر حیران و سرگرداں چھوڑ دے کیونکہ یہ تمام اُمور ناپسندیدہ اور قبیح ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبیح اُمور کا کوئی امکان نہیں ہے۔

## انسانی آزادی

مذکورہ بحث کی رُو سے ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ نے انسان کو آزاد پیدا کیا

ہے۔ انسان اپنے ارادہ اور اختیار کے ذریعے اپنے اُمور انجام دیتا ہے کیونکہ اگر اس کے برعکس ہو یعنی ہم انسانی اعمال کے سلسلے میں جبر کے قائل ہوں تو برے لوگوں کو سزا دینا ظلم اور ناانصافی ہوگا اور نیک لوگوں کو جزا دینا بے ہودہ اور بے دلیل ہوگا۔ اس طرح کے کام اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ خوبی و بدی کی شناخت اور بہت سے دوسرے حقائق کی شناخت میں انسانی عقل کی ذاتی اور فطری صلاحیت کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ دین و شریعت اور انبیاءؑ کی نبوت نیز آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کی یہ بنیادی شرط ہے۔ لیکن جس طرح پہلے کہا گیا ہے کہ انسانی اِدراکات اور علوم محدود ہیں اور صرف انھی کی بنیاد پر سعادت و کمالِ انسانی سے متعلق تمام حقائق کی شناخت ممکن نہیں ہے۔ اسی وجہ سے انسان بعثتِ انبیاء اور کتبِ سماویہ کا محتاج ہے۔

## عقل ماخذ فقہ

ہمارا عقیدہ ہے کہ دینِ اسلام کا ایک اساسی ماخذ مذکورہ بالا نکات کی روشنی میں عقل ہے۔ یہ کہ عقل یقینی طور پر کسی چیز کو درک کرے اور اُس کے بارے میں فیصلہ کرے، مثلاً اگر قرآنِ مجید اور سنت میں، ظلم و خیانت، قتل و چوری اور لوگوں کے حقوق پامال کرنے کی حرمت پر کوئی دلیل ہی نہ ہوتی تو ہم عقل کے ذریعے ان تمام چیزوں کو حرام سمجھتے اور یقین رکھتے کہ اس عالم اور حکیم خدا نے ہم پر یہ چیزیں حرام قرار دی ہیں اور ان کی انجام دہی پر راضی نہیں ہے۔ عقل کا یہ حکم ہمارے اُوپر حجتِ الٰہی شمار ہوتا ہے۔

قرآنی آیات ایسے مضامین سے بھرپور ہیں جو عقلی اور عقلی دلائل کی اہمیت

کو واضح کرتی ہیں۔ قرآنِ مجید نے توحید کے راستے پر رواں دواں ہونے کے لیے اربابِ عقل وخرد کو زمین وآسمان میں خداوند تعالیٰ کی نشانیوں کا مطالعہ کرنے کی دعوت دی ہے۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ○ (سورۂ آل عمران: آیت ۱۹۰)

"بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات اور دن کے بدلنے میں صاحبانِ عقل کے لیے نشانیاں ہیں"۔

دوسری طرف سے انسانی عقل وشعور میں اضافے کو خدا کی نشانیوں کے بیان کا ہدف قرار دیا ہے۔

اُنۡظُرۡ کَیۡفَ نُصَرِّفُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّهُمۡ یَفۡقَهُوۡنَ ○ (سورۂ انعام: آیت ۶۵)

"دیکھو ہم اپنی آیات کو کس طرح مختلف انداز میں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھ جائیں"۔

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ ان مذکورہ دونوں باتوں کے علاوہ تمام انسانوں کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ نیکیوں اور برائیوں کے درمیان فرق کریں اور اس سلسلے میں قوتِ فکر سے کام لیں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

قُلۡ هَلۡ یَسۡتَوِی الۡاَعۡمٰی وَ الۡبَصِیۡرُ اَفَلَا تَتَفَکَّرُوۡنَ ○ (سورۂ انعام: آیت ۵۰)

"کہہ دیجیے کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم غور نہیں

کرتے؟"

چوتھا اور آخری نکتہ یہ ہے کہ جو لوگ اپنے کانوں، آنکھوں اور زبان سے کام نہیں لیتے اور اپنی عقل و خرد سے استفادہ نہیں کرتے انھیں زمین پر چلنے والوں میں سے سب سے بدترین حیوان قرار دیا گیا ہے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ○ (سورۂ انفال: آیت ۲۲)

"اللہ کے نزدیک تمام حیوانوں میں بدترین یقیناً وہ بہرے گونگے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے"۔

علاوہ ازیں کتنی اور آیات ہیں جو اس امر کی توضیح کرتی ہیں۔

ان دلائل کی موجودگی میں اسلام کے اصول و فروع کے حوالے سے ہم عقل و خرد اور تفکر کی قوت سے کیسے چشم پوشی کر سکتے ہیں۔

## عدالت الٰہیہ پر ایک اور نظر

اِس سے قبل گفتگو ہو چکی ہے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ خدا عادل ہے اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ خدا اپنے کسی بندے پر ظلم نہیں کرتا کیونکہ ظلم ایک بُرا اور ناپسندیدہ فعل ہے اور خداوند تعالیٰ کی ذات ایسے افعال سے پاک و پاکیزہ ہے۔

وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (سورۂ کہف: آیت ۴۹)

"تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا"۔

اگر دنیا اور آخرت میں کسی کو سزا ملتی ہے یا ملے گی تو اُس سزا کا سبب وہ خود ہیں۔

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○

(سورۂ توبہ: آیت ۷۰)

"پھر اللہ تو ایسا نہ تھا کہ اُن پر ظلم کرتا بلکہ یہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے رہے"۔

انسان خود اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔ خداوند تعالیٰ نہ انسان پر ظلم کرتا ہے اور نہ کائنات کی کسی دوسری چیز پر ظلم کرتا ہے۔

وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (سورۂ آل عمران: آیت ۱۰۸)

"اور اللہ اہلِ عالم پر ظلم نہیں کرنا چاہتا"۔

یہ بات یاد رہے کہ یہ تمام آیات عقل کے حکم کی طرف رہنمائی کر رہی ہیں اور اسی کی تاکید کر رہی ہیں۔

## تکلیف مالایطاق کی نفی

مذکورہ بحث کی بنا پر ہمارا عقیدہ ہے کہ:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (سورۂ بقرہ: آیت ۲۸۶)

"خداوند تعالیٰ ہرگز انسان کو اس کام کی تکلیف نہیں دیتا جو اس کی طاقت سے باہر ہو"۔

## المناک حوادث کا فلسفہ

ہمارا عقیدہ ہے کہ اس دنیا میں جو المناک حوادث رُونما ہوتے ہیں مثلاً زلزلے، مصائب اور دوسری مشکلات۔ مذکورہ بالا وجوہات کی روشنی میں وہ کبھی تو

خداوند تعالیٰ کی طرف سے سزا کے طور پر واقع ہوتے ہیں جس طرح کہ قوم لوطؑ کے بارے میں فرمایا:

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ ○ (سورۂ ہود: آیت ۸۲)

"پس جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے اُس بستی کو تہ و بالا کر دیا اور اُس پر پختہ مٹی کے پتھروں کی لگاتار بارش برسائی"۔

سبا کے سرکش اور ناسپاس لوگوں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ (سورۂ سبا: آیت ۱۶)

"پس انھوں نے منہ پھیر لیا تو ہم نے اُن پر تباہ کن سیلاب بھیج دیا"۔

نیز ان حوادث میں سے بعض حوادث انسانوں کو بیدار کرنے کے لیے آتے ہیں تاکہ وہ حق کے راستے کی طرف لوٹ آئیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ (سورۂ روم: آیت ۴۱)

"لوگوں کے اپنے اعمال کے باعث خشکی اور سمندر میں فساد برپا ہوگیا تاکہ انھیں اُن کے بعض اعمال کا ذائقہ چکھایا جائے شاید یہ لوگ باز آجائیں"۔

لہٰذا اِس طرح کے مصائب حقیقت میں اللہ کے لطف و کرم کا نتیجہ ہیں۔

بعض مصائب ایسے ہیں جو انسان خود اپنے لیے ڈھونڈتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں وہ اپنی غلطیوں کی سزا بھگتتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ

(سورۂ رعد: آیت ۱۱)

"اللہ کسی قوم کا حال یقیناً اُس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلے"۔

مَا اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَا اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ (سورۂ نساء: آیت ۷۹)

"تمھیں جو سکھ پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو دُکھ پہنچے وہ خود تمھاری اپنی طرف سے ہے"۔

## نظامِ کائنات

ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ کائنات عظیم الشان نظام کا نظارہ پیش کر رہی ہے یعنی اس کائنات کا موجودہ نظام ممکنہ نظاموں میں سب سے بہتر نظام ہے۔ ہر چیز حساب و کتاب کے مطابق ہے۔ اس میں حق و حقیقت، عدل و انصاف اور نیکی و بھلائی کے منافی کوئی بات موجود نہیں ہے۔ اگر معاشرے میں برائیاں نظر آرہی ہیں تو یہ خود انسان کی طرف سے ہیں۔

ہم دوبارہ یہ عرض کرتے ہیں کہ ہمارے عقیدے کی رُو سے کائنات کے بارے میں اسلامی نظریے کی ایک اصل بنیاد عدالتِ الٰہی ہے۔ اس کے بغیر توحید، نبوت اور معاد کا عقیدہ بھی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ (غور فرمایئے)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے:

اِنَّ اَسَاسَ الدِّیْنِ اَلتَّوْحِیْدُ وَالْعَدْلُ

"دین کی بنیاد توحید اور عدل ہے"۔

اس کے بعد فرمایا:

اَمَّا التَّوْحِیْدُ فَاِنْ لَا تَجُوْزَ عَلٰی رَبِّکَ مَا جَازَ عَلَیْکَ وَاَمَّا الْعَدْلُ فَاِنْ لَا تَنْسِبُ اِلٰی خَالِقِکَ مَا لَامَکَ عَلَیْهِ

"توحید یہ ہے کہ جو باتیں آپ کے لیے جائز ہیں اُنھیں اپنے رب کے لیے جائز نہ سمجھیے (اُس ممکنات کی تمام صفات سے پاک ومنزہ سمجھو) اور عدل یہ ہے کہ تم خدا کی طرف کسی ایسے کام کی نسبت نہ دو جسے تم انجام دو تو اُس پر تمھاری مذمت ہو"۔ (بحار الانوار، ج ۵، ص ۱۷، حدیث ۲۳)

## ماخذ فقہ

فقہ کے ماخذ چار ہیں:

① کتاب اللہ: قرآنِ مجید جو اسلامی معارف اور احکام کی بنیاد ہے۔

② پیغمبرؐ اسلام اور ائمہ معصومینؑ کی سنت۔

③ علماء اور فقہاء کا اجماع واتفاق جو معصوم کی رائے کا مظہر ہو۔

④ عقل: عقل یا دلیلِ منطقی سے مراد یقینی اور قطعی دلیلِ عقلی ہے۔ اور وہ دلیل جو عقلی ظنی ہو مثلاً قیاس واستحسان وغیرہ وہ ہمارے نزدیک کسی بھی فقہی مسئلے میں قابلِ قبول نہیں ہے۔ لہٰذا اگر فقیہ اپنے گمان کے مطابق ایک چیز میں مصلحت

دیکھے لیکن اُس کے متعلق کتاب وسنت میں کوئی مخصوص حکم نہ ہو تو وہ اپنے گمان کو حکمِ خدا کے طور پر پیش نہیں کرسکتا۔ اس طرح شرعی احکام اخذ کرنے کے لیے ظنی قیاسات اور اِس طرح کی دوسری چیز کا سہارا لینا ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے لیکن جن مقامات پر انسان کو یقین حاصل ہوجائے جیسے ظلم، جھوٹ، چوری اور خیانت کی بُرائی کا یقین تو ان مقامات پر عقل کا حکم معتبر ہے۔

كُلُّ مَا حَكَمَ بِهِ الْعَقْلُ حَكَمَ بِهِ الشَّرْعُ

"عقل جس چیز کا حکم دے شریعت بھی اسی بات کا حکم دیتی ہے"۔

عقل کا یہ قطعی حکم قاعدے کے تحت شرعی حکم محسوب ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عبادی وسیاسی واقتصادی اور سماجی اُمور میں مکلف لوگوں کے لیے ضروری مسائل کے متعلق پیغمبرؐ اسلام اور ائمہ معصومینؑ کی احادیث ہمارے ہاں موجود ہیں اور ظن وگمان پر مشتمل دلیلوں کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ مسائل مستحدثہ (وہ مسائل جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسان کو درپیش ہوتے ہیں) کی شناخت کے سلسلے میں بھی کتاب اللہ، نیز رسولؐ اللہ اور ائمہ طاہرینؑ کی سنت میں اصول وضوابط بیان کردیے گئے ہیں۔ جن کے بعد ہمیں اس طرح کے ظنی دلائل کی ضرورت نہیں رہتی۔ یعنی ان قواعد وضوابط کی طرف رجوع کرنے سے مسائل مستحدثہ کا حکم معلوم ہوجاتا ہے (یہ ایک طولانی بحث ہے اس کی اس مختصر سی کتاب میں گنجائش نہیں ہے)۔ [1]

□□□

---

[1] ہم نے اپنی کتاب "المسائل المستحدثہ" میں یہ بات مفصل بیان کی ہے۔

# باب اجتہاد

ہمارا عقیدہ ہے کہ شریعت کے تمام مسائل میں اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ صاحب نظر فقہا مذکورہ چار فقہی ماخذ سے احکامِ خداوندی کا استنباط کرتے ہیں اور اپنا استنباط اُن لوگوں کے سامنے رکھتے ہیں جو استنباط کی قدرت نہیں رکھتے۔ اگرچہ اُن کی آراء گذشتہ فقہاء کی آراء سے مکمل مطابقت نہ رکھتی ہوں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ جو لوگ فقہ میں صاحب نظر نہیں انھیں ہمیشہ ایسے زندہ فقہاء کی طرف رجوع کرنا چاہیے جو زمانے کے تقاضوں اور مسائل سے آگاہ ہوں۔ یعنی اُن کی تقلید کریں۔ جو لوگ فقہ سے واقف نہیں ہیں اُن کے لیے ضروری ہے کہ وہ ماہرین فقہ کی طرف رجوع کریں۔ ان فقہاء کو مرجع تقلید کہا جاتا ہے۔ اس طرح ہم مُردہ فقیہ کی تقلید ابتدائی طور پر جائز نہیں سمجھتے۔ لوگوں کو زندہ فقیہ کی تقلید کرنی چاہیے تا کہ فقہ ہمیشہ ترقی اور تکامل کی طرف رواں دواں رہے۔

## قانون سازی کی ضرورت نہیں

ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلام میں قانونی خلا موجود نہیں ہے۔ اسلام نے قیامت تک انسان کے لیے تمام ضروری احکام بیان کر دیے ہیں، البتہ کبھی تو خاص صورت میں اور کبھی ایک عام اور کُلی حکم کے ضمن میں بیان فرمائے ہیں۔ اسی وجہ سے ہمارے نزدیک فقہا کو قانون سازی کا حق حاصل نہیں ہے بلکہ ہم

ان کی یہ ذمہ داری سمجھتے ہیں کہ وہ مندرجہ بالا مآخذ سے احکام اخذ کریں اور دنیا کے سامنے رکھیں۔ کیا خود قرآنِ مجید نے سورۂ مائدہ جو پیغمبرِ اسلامؐ پر سب سے خر میں نازل ہونے والی سورہ ہے یا آخری سورتوں میں سے ہے، میں یہ نہیں فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (سورۂ مائدہ: آیت ۳)

"آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی اور تمھارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کرلیا"۔

اگر اسلام تمام زمانوں اور تمام اُدوار کے لیے مکمل فقہی احکام کا حامل نہ ہوتو وہ کامل دین کیسے ہوسکتا ہے؟ کیا ہمارے سامنے پیغمبرِ اسلامؐ کی یہ حدیث نہیں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

يَا اَيُّهَا النَّاسُ وَاللّٰهِ مَا مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ وَلَا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ

"اے لوگو! ہر وہ چیز جو تمھیں بہشت کے نزدیک کرتی ہے اور دوزخ کی آگ سے دُور کرتی ہے میں نے تمھیں اس کا حکم دے دیا ہے اور ہر وہ چیز جو تمھیں جہنم کی آگ سے نزدیک کرتی ہے اور جنت سے دُور کرتی ہے، میں نے تمھیں اس سے روکا ہے"۔ (اصولِ کافی: ج ۲،ص ۷۴، بحار الانوار: ج ۶۷،ص ۹۶)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

مَا تَرَكَ عَلِيٌّ شَيْئًا اِلَّا كَتَبَهُ حَتّٰى اَرْشَ لِخَدْشٍ

''حضرت امام علی علیہ السلام نے اسلام کا کوئی حکم ایسا نہیں چھوڑا جسے آپؑ نے حضورؐ کے حکم سے اور آپؐ کے لکھوانے پر لکھ نہ لیا ہو۔ یہاں تک کہ ایک معمولی سی خراش کی دیت بھی''۔(جامع الاحادیث، ج ا، ص ۱۸، حدیث ۱۲۷)

اسلامی تشریحات کی موجودگی میں گمان و ظن پر مبنی دلائل و قیاس اور استحسان کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی۔

□□□

# تقیہ

ہمارا عقیدہ ہے کہ جب انسان متعصب، ہٹ دھرم اور غیر معقول لوگوں کے درمیان اس طرح پھنس جائے کہ اُن کے درمیان اپنے عقیدے کا اظہار اُس کے لیے جانی یا مالی خطرے کا باعث ہو اور عقیدے کے اظہار کا کوئی خاص فائدہ بھی نہ ہو تو وہاں اپنے عقیدہ کا اظہار نہ کرے اور اپنی جان نہ گنوائے۔ اس عمل کا نام "تقیہ" ہے۔ ہم نے اِسے قرآنِ مجید کی دو آیتوں سے عقلی دلائل سے اخذ کیا ہے۔

قرآنِ مجید میں مومن آلِ فرعون کے متعلق فرماتا ہے:

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ
اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ
مِنْ رَّبِّكُمْ (سورۂ مومن: آیت ۲۸)

"اور آلِ فرعون میں سے ایک مومن جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا کہنے لگا: کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور تمھارے رب کے تمھارے پاس واضح دلائل لے کر آیا ہے"۔

اس مذکورہ آیت کریمہ میں يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗ کا جملہ صریح الفاظ میں تقیہ کا مسئلہ بیان کر رہا ہے۔ کیا یہ درست تھا کہ مومن آلِ فرعون اپنا ایمان ظاہر کرے اور اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے جب کہ اِس کا کوئی فائدہ بھی نہ ہوتا۔

صدرِ اسلام کے بعض مجاہد اور مبارز مومنین جب وہ متعصب مشرکین کے چنگل میں پھنس چکے تھے تو ان کے بارے میں تقیہ کا حکم نازل ہوا۔ ارشاد خداوندی ہے:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً (سورۂ آل عمران: آیت ۲۸)

''مومنوں کو چاہیے کہ وہ اہلِ ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو سرپرست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے اُس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں اگر تم اُن کے ظلم سے بچنے کے لیے کوئی طرزِ عمل اختیار کرو تو اس میں مضائقہ نہیں ہے''۔

تقیہ کرنا یعنی عقیدے کو چھپانا وہاں جائز ہے جہاں انسان کی جان، مال اور عزت کو متعصب اور ہٹ دھرم دشمنوں سے خطرہ ہو اور وہاں عقیدے کے اظہار کا فائدہ بھی کچھ نہ ہو۔ ایسے موقع پر بلاوجہ انسان کو اپنی جان خطرے میں ڈالنا اور افرادی قوت ضائع کرنا صحیح اور معقول نہیں ہے بلکہ اسے محفوظ رکھنا چاہیے تاکہ ضرورت کے وقت کام آئے اس لیے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی مشہور حدیث ہے:

اَلتَّقِيَّةُ تُرْسُ الْمُؤْمِنِ

''تقیہ مومن کی ڈھال ہے''۔ ①

---

① وسائل: ج ۱۱، ص ۴۶۱، حدیث ۴، باب ۲۶۔ بعض احادیث میں تُرْسُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ کے الفاظ ہیں: ''تقیہ اللہ کی زمین میں ڈھال ہے''۔

یہاں اس حدیث میں ترس یعنی ڈھال کا استعمال اس لطیف نکتے کی طرف اشارہ ہے کہ تقیہ دشمن کے مقابلے میں دفاع کا ذریعہ ہے۔

حضرت عمار یاسرؓ نے مشرکین کے مقابلے میں تقیہ کیا تھا۔ پیغمبرؐ اسلام نے اُن کے اِس عمل کی تائید فرمائی تھی۔ (۱)

جنگ کے میدانوں میں دشمن سے اسلحہ اور سپاہیوں کو چھپانا اور جنگی رازوں کا مخفی رکھنا وغیرہ سب کے سب انسانی حیات میں ایک قسم کا تقیہ ہیں۔ بہر حال جہاں حقیقت کا اظہار کرنا خطرے یا نقصان کا باعث ہو اور اظہار کا کوئی فائدہ بھی نہ ہو وہاں تقیہ کرنا ایک عقلی اور شرعی حکم ہے جس پر نہ فقط شیعہ بلکہ دنیا کے تمام مسلمان، بلکہ دنیا کے تمام عقلاء ضرورت کے وقت عمل کرتے ہیں۔

اس کے باوجود تعجب خیز بات یہ ہے کہ بعض لوگ تقیہ کو مکتب اہلِ بیت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مختص سمجھتے ہیں اور اِسے اُن کے خلاف ایک اہم اعتراض کے طور پر پیش کرتے ہیں حالانکہ بات بالکل واضح ہے۔ تقیہ کا سرچشمہ قرآن وسنت، نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام کی سیرت اور دنیا کے تمام عقلاء کا طریقہ کار ہے۔

## بعض مقامات پر تقیہ کرنا حرام ہے

ہمارا عقیدہ ہے کہ مذکورہ بدگمانیوں کی وجہ شیعہ عقائد سے لاعلمی اور

---

(۱) بہت سے مفسرین، مورخین اور ارباب حدیث نے اپنی مشہور کتابوں میں یہ حدیث بیان کی ہے۔ واحدی نے اسباب النزول میں، طبری، زمخشری، فخر رازی، بیضاوی، نیشاپوری نے اپنی تفاسیر میں سورہ نحل کی آیت ۱۰۶ کے ذیل میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

ناآگاہی ہے یا شیعہ دشمن عناصر سے شیعہ عقائد اخذ کرنے کا عمل ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ مذکورہ بالا وضاحت سے بات مکمل طور پر صاف ہوگئی ہوگی۔ البتہ اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بعض مقامات پر تقیہ حرام ہے۔ جہاں تقیہ کرنے سے دینِ اسلام اور قرآن کی بنیاد یا اسلامی نظام کو خطرہ لاحق ہوجائے ایسے مقامات پر عقیدے کا اظہار کرنا واجب ہے۔ اگرچہ عقیدے کے اظہار کی وجہ سے جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ عاشور کے دن کربلا میں سیّدالشہداء امام حسین علیہ السلام نے اسی نظریے پر عمل کیا، کیونکہ اُموی حکمرانوں نے اسلام کی اساس کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ سیّدالشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کے قیام نے اُن کے کرتوتوں کا پردہ چاک کردیا اور آپؑ نے اس طرح اسلام کو خطرات سے بچالیا۔

□□□

# عباداتِ اسلامی

قرآن وسنت نے جن عبادات پر زور دیا ہے ہم اُن پر عقیدہ رکھتے ہیں اور اُن کے پابند ہیں، مثلاً نماز پنجگانہ جو خالق اور مخلوق کے درمیان رابطے کی اہم کڑی ہے۔ اس طرح رمضان المبارک کے روزے جو ایمان کی تقویت، تزکیۂ نفس اور تقویٰ کا بہترین ذریعہ ہیں اور نفسانی خواہشات کے مقابلے کا ہتھیار ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ جو صاحبِ استطاعت ہے اس پر زندگی میں ایک بار بیت اللہ کا حج واجب ہے۔ جو تقویٰ اختیار کرنے اور باہمی محبت کی بندھنوں کو مضبوط کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ نیز حج مسلمانوں کی عزت وعظمت کا باعث ہے۔ ہم مال پر زکوٰۃ اور خمس کو واجب جانتے ہیں۔ امر بالمعروف، نہی عن المنکر نیز اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہونے والوں کے خلاف جہاد کو واجبات میں شمار کرتے ہیں۔

ہمارے اور بعض دوسرے اسلامی فرقوں کے درمیان ان مسائل کی بعض جزئیات میں اختلاف ہے۔ بالکل اس طرح جس طرح اہلِ سنت کے چار فرقوں عبادات اور دوسرے احکام میں باہمی اختلاف رکھتے ہیں۔

## دو نمازوں کا یکے بعد دیگرے پڑھنا

ہمارا عقیدہ ہے کہ نماز ظہر ار نماز عصر یا مغرب اور عشاء کو ایک کی ادائگی کے بعد دوسری نماز کا پڑھنا جائز ہے (اگرچہ انھیں الگ الگ وقت میں پڑھنا

افضل اور بہتر ہے)۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے دو نمازوں کو جمع کرنے کی اجازت اُن لوگوں کی حالت کے پیش نظر ہے جو مشکلات سے دوچار ہوں۔

صحیح ترمذی میں عبداللہ ابن عباسؓ سے منقول ہے:

جَمَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ بَیْنَ الظُّهرِ وَالْعَصْرِ وَبَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمَدِیْنَةِ مِنْ غَیْرِ خَوْفٍ وَلَا مَطَرٍ، قَالَ، فَقِیْلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَا اَرَادَ بِذٰلِكَ؟ قَالَ اَرَادَ اَنْ لَّا یُحْرِجَ اُمَّتَهٗ

”رسول اکرمؐ نے مدینہ میں نمازِ ظہر اور عصر اکٹھی پڑھیں اس طرح مغرب اور عشاء کی نمازیں بھی اکٹھی پڑھیں حالانکہ نہ کوئی خطرہ تھا اور نہ بارش تھی۔ جب حضرت ابنِ عباسؓ سے دریافت کیا گیا کہ اس کام سے آنحضرتؐ کا کیا مقصد تھا؟ ابنِ عباسؓ نے جواب دیا: ”تاکہ اپنی اُمت کو مشکل میں نہ ڈالیں“۔

جس مقام پر دونوں نمازوں کا الگ الگ پڑھنا تکلیف کا باعث ہو، وہاں اس اجازت سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ (سنن ترمذی: ج ۱، ص ۳۵۴، باب ۱۳۸، سنن بیہقی: ج ۳، ص ۱۶۷)

خصوصاً موجودہ دور میں جب کہ معاشرتی زندگی کارخانوں اور صنعتی مراکز میں بڑی پیچیدہ شکل اختیار کرچکی ہے اور پانچ الگ الگ اوقات میں نماز کی پابندی کی شرط کے باعث بعض لوگوں نے نماز کو بالکل ہی چھوڑ دیا ہے۔ پیغمبر خدا

نے جو اجازت عطا کی ہے اُس سے استفادہ کرتے ہوئے نماز کو زیادہ پابندی سے ادا کیا جاسکتا ہے۔

## خاک پر سجدہ

ہمارا عقیدہ ہے کہ مٹی یا زمین کے دوسرے اجزا پر سجدہ کرنا چاہیے یا ان چیزوں پر جو زمین سے اُگتی ہوں مثلاً درختوں کے پتّے اور لکڑی نیز دیگر پودوں پر سوائے اُن چیزوں کے جو کھائی جاتی ہیں یا لباس کے کام آتی ہیں۔ اس لیے قالین وغیرہ پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ ہم مٹی پر سجدہ کرنے کو سب چیزوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ اسی لیے آسانی کی وجہ سے بہت سے شیعہ سانچے میں ڈھلی ہوئی پاک مٹی کا ایک ٹکڑا اپنے پاس رکھتے ہیں جسے سجدہ گاہ کہا جاتا ہے اور ہم اس پر سجدہ کرتے ہیں۔ یہ پاک بھی ہوتی ہے اور مٹی بھی ہے۔

اس سلسلے میں ہماری دلیل رسولؐ اسلام کی حدیث ہے:

جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا

''میرے لیے زمین کو مسجد اور طہور بنایا گیا ہے''۔

ہم یہاں لفظ ''مسجد'' کو سجدہ گاہ کے معنٰی میں لیتے ہیں۔ یہ حدیث اکثر کتبِ صحاح اور دوسری کتابوں میں نقل ہوئی ہے۔(1)

---

(1) بخاری نے صحیح میں جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے باب التیمم، ج ۱، ص ۹۱ میں، محدث نسائی نے اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے باب التیمم بالصعید میں، مسند احمد میں یہ حدیث ابن عباس سے منقول ہے (مسند احمد، ج ۱، ص ۱ تا ۳)۔ شیعہ کتب میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت اسناد کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ کہا جائے کہ اس حدیث میں مسجد سے مراد سجدہ کی جگہ نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد نماز کی جگہ ہے اور یہ اُن لوگوں کے عمل کی ⇦

## انبیاء کرامؑ اور ائمہ طاہرینؑ کے مزارات کی زیارت

ہمارا عقیدہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام، علماء، دانشمندوں، شہدا کے مزارات کی زیارت سنت مؤکدہ ہے۔

اہل سنت کی کتب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ مبارک کی زیارت کرنے کے بارے میں بے شمار روایات موجود ہیں۔ شیعہ کتب میں بھی یہ بات مذکور ہے۔ اگر اِن روایات کو جمع کیا جائے تو ایک علیحدہ کتاب بن سکتی ہے۔ ①

ہر دور میں تمام بڑے علماء اور لوگوں کے تمام طبقات نے اسے اہمیت دی ہے۔ کتابیں ان لوگوں کے تذکروں سے بھری پڑی ہیں جو رسول اکرمؐ یا دوسرے بزرگوں کے مزارات کی زیارت کے لیے جاتے تھے۔ ② بہرحال یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس مسئلہ پر تمام مسلمانوں کا اجماع اور اتفاق ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ زیارت اور عبادت کے درمیان فرق کو نہیں بھولنا چاہیے۔ عبادت اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے جب کہ زیارت کا مقصد بزرگانِ دین کا احترام، اُن کی یاد کو زندہ رکھنا اور خدا کے حضور اُن سے شفاعت طلب کرنا ہے۔

---

⇐ نفی کرتی ہے جو صرف ایک مخصوص مقام پر نماز پڑھتے ہیں لیکن اس بات کے پیش نظر کہ یہاں طہور بمعنی "تیمم کی مٹی" کی بات آئی ہے تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس حدیث میں "مسجد" سے مراد سجدہ کی جگہ ہے، یعنی زمین کی مٹی طہور بھی ہے اور سجدہ کی جگہ بھی ہے۔ علاوہ ازیں ائمہ طاہرینؑ سے بھی بہت سی روایات منقول ہیں جن میں مٹی اور پتھر وغیرہ کو سجدہ کی جگہ قرار دیا گیا ہے۔

① ان روایات سے آگاہی کے لیے الغدیر، ج ۵، ص ۹۳ تا ۲۰۷ کی طرف رجوع کریں۔

② صحیح مسلم، ابوداؤد، مسند احمد، صحیح ترمذی، سنن بیہقی میں زیارات سے متعلق احادیث موجود ہیں۔

یہاں تک کہ بعض روایات کے مطابق خود آنحضرتؐ اہلِ قبور کی زیارت کے لیے جنت البقیع جاتے اور اُن کے لیے رحمت اور مغفرت کی دعا فرماتے تھے۔

مذکورہ بحث کے مطابق اسلامی فقہ کے نقطۂ نظر سے اس کام کے جواز میں کسی شخص کو شک نہیں کرنا چاہیے۔

□□□

# فلسفۂ عزاداری

ہمارا عقیدہ ہے کہ شہدائے اسلام بالخصوص شہیدانِ کربلا کی عزاداری اور اُن کا سوگ منانے کا مقصد اُن کی یاد کو زندہ رکھنا ہے اور اسلام کی راہ میں ان کی قربانیوں کی ترویج و تبلیغ ہے۔ اس لیے ہم سال کے مختلف ایام بالخصوص ایامِ عاشورا محرم میں عزاداری مناتے ہیں جو رسولؐ اللہ کی دختر حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام اور حضرت علی علیہ السلام کے لختِ جگر اور بہشت کے جوانوں کے سردار حضرت امام حسین علیہ السلام کے ایام ہیں۔[1] ہم اُن کی زندگی اور اُن کے کارناموں کا ذکر کرتے ہیں اور اُن کے اہداف پر بحث کرتے ہیں اور اُن کی پاک روحوں پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔

یزید ایک فاجر، خودسر اور دینِ اسلام سے دُور بلکہ بہت دُور شخص تھا۔ لیکن بدقسمتی سے اسلامی خلافت پر قابض تھا۔ سیّدالشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام نے ۶۱ ہجری میں اس کے خلاف قیام فرمایا۔ اس جنگ میں امام علیہ السلام اور آپؑ کے

---

[1] ابو مسلم خراسانی جس نے اُموی حکومت کا خاتمہ کیا، نے مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے اَلرِّضَا لِآلِ مُحَمَّدٍ کا نعرہ لگایا۔ (کامل ابن اثیر، ج ۵، ص ۳۷۲)۔ توابین کا قیام بھی یَالَثَارَاتِ الْحُسَیْن کے نعرے سے شروع ہوا (کامل ابن اثیر، ج ۴، ص ۲۸۸)۔ پھر جن لوگوں نے بنوعباس کے خلاف قیام کیا اُن میں سے ایک حسین بن علی شہید فخ ہیں۔ انھوں نے اپنا مقصد ایک جملے میں اس طرح بیان کیا: اُدْعُوکُمْ اِلَی الرِّضَا مِنْ آلِ مُحَمَّدٍ "میں تمھیں آلِ محمدؐ کی خوشنودی حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہوں"۔ (مقاتل الطالبین: ص ۲۹۹، تاریخ طبری: ج ۸، ص ۱۹۳)

تمام ساتھی عراق کی سرزمینِ کربلا میں شہید کر دیے گئے تھے اور اُن کی خواتین کو قیدی بنایا گیا تھا۔ لیکن اُن کے خون نے اس دور کے تمام مسلمانوں میں حیرت انگیز جذبہ اور ولولہ پیدا کر دیا۔

بنی اُمیہ کے خلاف یکے بعد دیگرے بغاوتیں ہونے لگیں۔ ان بغاوتوں نے بنی اُمیہ کے ظلم و ستم کے ایوانوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ آخرکار اِن کا ناپاک وجود ختم ہو گیا۔ قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ واقعۂ عاشورا کے بعد بنی اُمیہ کی حکومت کے خلاف جتنی بغاوتیں ہوئیں اُن سب کا عنوان "الرضا لآلِ محمدؐ" اور "یالثاراتِ الحسین" کے نعرے تھے۔

یہاں تک کہ اُن میں سے بعض نعرے تو بنی عباس کے ابتدائی دورِ حکومت میں بھی بلند ہوتے رہے۔ ①

سیدالشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کا خون چکاں قیام آج ہم مکتبِ تشیع کے پیروکاروں کے لیے ہر قسم کی استبدادیت یا سینہ زوری کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک نمونۂ عمل اور لائحۂ عمل کی صورت اختیار کر گیا ہے۔

هَيْهَاتَ مِنَّا الذِّلَّة

"ہمیں ذلت قبول نہیں ہے"۔

إِنَّ الْحَيَاةَ عَقِيْدَةٌ وَجِهَادٌ

"زندگی ایمان اور جہاد سے عبارت ہے"۔

کے نعروں نے جو کربلا کی خونی تحریک کا عطیہ ہیں، ہماری ہمیشہ نصرت کی ہے تا کہ

---

① اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ (صحیح ترمذی: ج۲،ص ۳۰۶، ۳۰۷، ابن ماجہ، حلیۃ الاولیاء، تاریخ بغداد، اصابہ ابن حجر، کنزالعمال، ذخائر العقبیٰ)۔

ہم ظالم اور جابر حکومتوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں اور سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کی پیروی کرتے ہوئے ظالم کے شر کو دفع کریں۔ (اسلامی جمہوریہ ایران کے اسلامی انقلاب میں یہ نعرے ہر طرف دکھائی دیتے ہیں)۔

مختصر یہ کہ شہدائے اسلام خصوصاً شہدائے کربلا کی یاد تازہ کرنے سے ہمارے اندر عقیدے اور ایمان کی راہ میں شہادت، ایثار، شجاعت اور فداکاری کا جذبہ ہمیشہ بیدار رہتا ہے۔ یہ جذبہ ہمیں عزت سے زندہ رہنے اور ظلم کے آگے سر نہ جھکانے کا درس دیتا ہے۔ یہ ہے اِن واقعات کو زندہ رکھنے اور ہر سال عزاداری کا سلسلہ برقرار رکھنے کا فلسفہ۔

شاید بعض لوگوں کو علم نہ ہو کہ ہم عزاداری کے مراسم میں کیا کرتے ہیں اور وہ اسے ایک ایسا تاریخی واقعہ سمجھیں جس پر عرصے سے فراموشی کا گردوغبار پڑا ہوا ہے۔ لیکن ہم خود بخوبی جانتے ہیں کہ ان واقعات کی یاد زندہ کرنے سے ہمارے کل آج اور آئندہ کی تاریخ پر کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں اور ہوں گے۔

جب غزوۂ اُحد ہوا تو اُس جنگ میں رسولؐ اللہ کے چچا حضرت حمزہؓ شہید ہوئے تھے۔ آپؓ کو سید الشہدا کا خطاب ملا تھا۔ رسولؐ اسلام نے اُن کے سوگ منانے کا حکم دیا تھا۔ یہ واقعہ تمام تاریخی کتابوں میں مذکور ہے۔ جب رسولؐ اللہ انصار کے ایک گھر کے قریب سے گزر رہے تھے تو آپؐ نے گریہ اور نوحہ کی آواز سنی تھی۔ آپؐ کی آنکھیں برس پڑیں اور چہرۂ اقدس پر آنسو بہنے لگے۔

آپؐ نے فرمایا: ہائے حمزہ پر کوئی رونے والا نہیں ہے؟

سعد بن معاذ نے جب یہ آواز سنی تو آپ قبیلہ بنی عبدالاشہل کے بعض لوگوں کے پاس گئے اور اُن کی خواتین کو حکم دیا کہ آنحضرتؐ کے چچا حضرت حمزہؓ

کے گھر جاؤ اور سید الشہدا حضرت حمزہؓ کا سوگ مناؤ۔ (کامل ابن اثیر: ج۲، ص ۱۲۳، ابن ہشام: ج ۳، ص ۱۰۴)

یہ امر واضح نہیں ہے کہ یہ کام حضرت حمزہؓ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ باقی تمام شہدا کا سوگ منانا چاہیے۔ ہمیں چاہیے کہ موجودہ اور آیندہ نسلوں کے لیے اُن کی یاد زندہ رکھیں اور اس طریقے سے مسلمانوں کی رگوں میں نیا خون دوڑاتے ہیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ آج جب کہ میں یہ سطور تحریر کر رہا ہوں عاشورہ کا دن ہے (۱۰ محرم الحرام ۱۴۱۲ھ)۔

آج عالمِ تشیع میں ایک عظیم ولولہ موجزن ہے۔ جوان، بوڑھے، بچے، سبھی سیاہ کپڑے پہنے ہوئے سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام اور شہدائے کربلا کا سوگ منا رہے ہیں۔ ان سب کے قلوب و اذہان میں ایسا انقلاب برپا ہے کہ اگر انھیں اسلام کے دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لیے کہا جائے تو سبھی اسلحہ اُٹھا کر میدان میں اُتر جائیں گے اور کسی قسم کی قربانی، جان نثاری سے دریغ نہیں کریں گے۔ گویا سب کی رگوں میں خونِ شہادت دوڑ رہا ہے اور وہ اس گھڑی حضرت امام حسین علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کو اسلام کی قربان گاہ (کربلا) میں اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں۔

ان پُرشکوہ مراسم میں جو ولولہ انگیز اشعار پڑھے جاتے ہیں وہ استعمار اور استکبار کے خلاف دندان شکن نعروں سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ ظلم کے سامنے نہ جھکنے اور ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دینے کا اعلان کر رہے ہوتے ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ ایک عظیم معنوی سرمایہ ہے جس کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ اسلام، ایمان اور تقویٰ کی بقا کے لیے اس سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔

## مُتعہ

ہمارا عقیدہ ہے کہ وقتی شادی ایک شرعی کام ہے جسے فقہ اسلامی میں ”متعہ“ کہا جاتا ہے۔

شادی کی دو قسمیں ہیں:

① دائمی شادی: جس میں وقت معین نہیں ہوتا۔

② موقت شادی: جس میں وقت معین ہوتا ہے۔ طرفین اپنی اس شادی کا وقت طے کرتے ہیں۔

یہ شادی دائمی شادی کے ساتھ بہت سے مسائل میں مشابہت رکھتی ہے۔ مثلاً حق مہر۔ اس دوران اگر بچے پیدا ہو جائیں تو وہ انھی احکام کے حامل ہوتے ہیں جو دائمی شادی سے پیدا ہونے والے بچے رکھتے ہیں۔ جدائی کے بعد عدت پوری کرنے کا مسئلہ مشترک ہے۔ یہ سب چیزیں ہمارے نزدیک مسلّم ہیں۔

دوسرے الفاظ میں متعہ اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ ایک قسم کا عقد ہے۔ البتہ دائمی نکاح اور مُتعہ میں کچھ فرق ہے اور وہ یہ کہ مُتعہ میں عورت کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہے اور میاں بیوی ایک دوسرے کی میراث کے حق دار نہیں ہوتے۔ لیکن اُن کی اولادیں، والدین ایک دوسرے کی میراث کے حق دار ہوتے ہیں۔ ہم نے یہ حکم قرآنِ مجید سے لیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً

''اور پھر جن عورتوں کے ساتھ ہم نے مُتعہ کیا ہے ان کا طے شدہ مہر بطور فرض ادا کرو''۔ (سورۂ نساء: آیت ۲۴)

بہت سے مشہور محدثین اور مفسرین نے تصریح کی ہے کہ یہ آیت مُتعہ کے متعلق ہے۔ تفسیر طبری میں اس آیت کے ذیل میں مُتعہ سے متعلق بہت سی احادیث بیان کی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مُتعہ کے بارے میں ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے بہت سے صحابہ کرام نے اس کی گواہی دی ہے۔ (تفسیر طبری، ج۵، ص۹)

تفسیر الدر المنثور اور سنن بیہقی میں بہت سی روایات موجود ہیں۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد اور بہت سی دوسری کتابوں میں ایسی احادیث موجود ہیں جو نبی اکرم ﷺ کے دور میں مُتعہ کے جواز پر دلیل ہیں۔ اگرچہ اس کی مخالف روایات بھی موجود ہیں۔ (مسند احمد: ج۶، ص ۴۳۶، صحیح بخاری: ج۷، ص ۱۶، صحیح مسلم: ج۷، ص ۱۴ اور صحیح مسلم: ج۲، ص ۱۰۲۲، باب نکاحِ مُتعہ)

بعض سُنّی فقہاء قائل ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے دور میں نکاح مُتعہ جائز تھا۔ اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہوگیا جب کہ بعض کا بیان ہے کہ یہ حکم آنحضرتؐ کی زندگی کے آخر تک باقی تھا اور حضرت عمر نے یہ حکم منسوخ کیا۔

حضرت عمر کا قول ہے:

مُتْعَتَانِ كَانَتَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَاَنَا مُتْعَةُ مُحَرِّمُهُمَا مُعَاقِبٌ عَلَيْهِمَا مُتْعَةُ النِّسَاءِ وَمُتْعَةُ الْحَجِّ

''پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں دو متعے جائز تھے۔ میں انھیں حرام قرار دیتا ہوں اور اُن پر سزا دوں گا۔ ان میں سے ایک

عورتوں سے متعہ ہے اور دوسرا: متعۃ الحج۔ (حج کی ایک خاص قسم ہے)۔ ①

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ بہت سے دوسرے احکام کی طرح اس اسلامی حکم میں بھی اہلِ سنت کے راویوں کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض اِس بات کے قائل ہیں کہ یہ حکم نبی اکرمؐ کے دور میں منسوخ ہوگیا تھا۔ بعض لوگ خلیفہ دوم کے دورِ خلافت میں اس حکم کی منسوخی کے قائل ہیں اور بعض مکمل طور پر انکار کرتے ہیں۔ اُن کا فقہی مسائل میں بھی اِس طرح کا اختلاف ہے لیکن شیعہ فقہاء میں اِس حکم کے جائز ہونے پر اتفاق ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ رسولؐ اللہ کے دور میں منسوخ نہیں ہوا تھا اور اُن کی رحلت کے بعد فسخ نا ممکن ہے۔

بہرحال میرا عقیدہ یہ ہے کہ اگر متعہ سے غلط استفادہ نہ کیا جائے تو یہ حکم اُن جوانوں کے سلسلے میں بعض معاشرتی ضروریات کو پورا کرسکتا ہے جو دائمی عقد نہیں کرسکتے یا وہ جو تجارتی، اقتصادی، تعلیمی یا دیگر وجوہات کے باعث کچھ عرصے کے لیے اپنے گھروں سے دُور رہتے ہیں۔ حکمِ متعہ کی مخالفت ایسے افراد میں برائی کا راستہ کھول دے گی خاص کر ہمارے دور میں جس میں مختلف اسباب کی وجہ سے دائمی نکاح کرنے کی عمر بڑھ گئی ہے اور دوسری طرف سے جنسی شہوت کو اُبھارنے والے اسباب کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔ اگر اس راستے پر پابندی

---

① سنن بیہقی، ج ۷، ص ۲۰۶۔ الغدیر کے مصنف نے کتبِ صحاح اور مسند سے پچیس احادیث نقل کی ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ اسلامی شریعت میں متعہ حلال ہے۔ اور پیغمبرؐ خدا، خلیفہ اوّل اور حضرت عمر کے دور کے کچھ حصے میں اس پر عمل ہوتا رہا ہے۔ حضرت عمر نے اپنی عمر کے آخری حصے میں اس پر پابندی لگادی۔ (الغدیر، ج ۶، ص ۲۳۲)

لگا دی جائے تو یقینی طور پر برائی کا باب کھل جائے گا۔

ہم دوبارہ اِس بات کو دُہراتے ہیں کہ ہم اس اسلامی حکم سے غلط استفادہ کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اس حکم کو شہوت پرست افراد کے ہاتھوں کھلونا قرار دینے اور عورتوں کو بدکاری کی طرف دھکیلنے کے مخالف ہیں۔لیکن بعض شہوت پرست افراد کے غلط فائدہ اُٹھانے کے بہانے اس پر پابندی نہیں لگنی چاہیے بلکہ اس کے غلط استعمال پر پابندی لگنی چاہیے۔

## تاریخ تشیع

ہمارا عقیدہ ہے کہ تشیع کی بنیاد رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں آنحضرتؐ کی احادیث کے باعث پڑی۔ اس امر پر ہمارے پاس بڑے واضح ثبوت موجود ہیں۔قرآنِ مجید میں ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ (سورۂ بینہ: آیت ۷)

"بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمالِ صالح بجا لائے وہی بہترین مخلوق ہیں"۔

بہت سے مفسرین نے اس آیت کریمہ کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے کہ رسولؐ اسلام کی حدیث ہے کہ اس آیت سے مراد حضرت امام علی علیہ السلام اور اُن کے شیعہ ہیں۔

مشہور مفسر علامہ سیوطی نے در المنثور میں ابنِ عساکر سے اور اُس نے جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے روایت کی ہے کہ ہم سب پیغمبرؐ اسلام کی بارگاہِ اقدس

میں حاضر تھے کہ اِس دوران آپؐ کی نُورانی محفل میں حضرت امام علی علیہ السلام تشریف لائے۔ جب رسولؐ اسلام کی اُن پر نگاہ پڑی تو آپؐ نے فرمایا:

وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِہٖ اِنَّ ھٰذَا وَشِیْعَتَہٗ لَھُمُ الْفَائِزُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ

"اُس ذات کی قسم کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، بے شک یہ اور اُن کے شیعہ ہی قیامت کے دن کامیاب ہیں"۔

اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُوْلٰٓئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ○ (سورۂ بینہ: آیت ۷)

"بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمالِ صالح بجالائے وہی بہترین مخلوق ہیں"۔

اس واقعہ کے بعد جب حضرت امام علی علیہ السلام صحابہ کرام کی محفل میں تشریف لاتے تو آپؑ کو دیکھ کر وہ کہتے:

جَاءَ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ۔

"خداوند تعالیٰ کی مخلوق کا سب سے بہترین فرد آگیا"۔

(الدرالمنثور، ج۶، ص ۳۷۹)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، حضرت ابوبرزہؓ، ابن مردویہؒ اور عطیہ عوفیؒ سے بھی یہی روایت مختصر سے فرق کے ساتھ منقول ہے۔ (پیامِ قرآن، ج۹ ص۲۵۹)

جب ہم تاریخِ اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ امام علی علیہ السلام

سے محبت رکھنے والوں کے لیے لفظ شیعہ کا انتخاب رسولِؐ اسلام کے زمانے میں ہی ہوگیا تھا۔ یہ نام انھیں پیغمبر اکرمؐ نے عطا فرمایا۔ ایسا نہیں ہے کہ عصر خلفاء یا عصر صفویہ وغیرہ میں انھیں یہ نام ملا ہو۔

اگرچہ ہم دوسرے اسلامی فرقوں کا احترام کرتے ہیں اور اُن کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور ایک ہی جگہ پر اور ایک ہی وقت میں حج بیت اللہ ادا کرتے ہیں اور اسلام کے مشترکہ اہداف کے لیے تعاون کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت امام علی علیہ السلام کے ماننے والے بعض خصوصیات کے حامل ہیں۔ ان پر نبی اکرمؐ کی خاص توجہ تھی اور نظر کرم بھی۔ اس لیے ہم نے اس مکتب کی پیروی اختیار کی ہے۔

مکتب تشیع کے بعض مخالفین مکتب تشیع اور عبداللہ ابن سبا کے درمیان رابطے کی کڑیاں ملانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ یہ بات دہراتے رہتے ہیں کہ شیعیانِ حیدرِ کرار عبداللہ بن سبا کے پیروکار ہیں۔ حالانکہ عبداللہ ابن سبا یہودی تھا اور وہ بعد میں اسلام لایا تھا۔ یہ بات حیرت انگیز ہے کیونکہ جب شیعیانِ حیدرِ کرار کی تمام کتابوں کا جائزہ لیا جاتا ہے تو واضح ہوجاتا ہے کہ اِس مذہب کے ماننے والے افراد اِس شخص سے دُور کا واسطہ بھی نہیں رکھتے۔

علاوہ ازیں مکتب تشیع کی تمام رجالی کتب میں عبداللہ ابن سبا کو ایک گمراہ اور منحرف شخص قرار دیا گیا ہے۔ ہماری بعض روایات کے مطابق حضرت علی علیہ السلام نے اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے اُس کے قتل کا حکم جاری فرمایا تھا۔ (1)

---

(1) تنقیح المقال فی علم الرجال (تذکرہ عبداللہ بن سبا) اور دیگر علم رجال کی کتب کی طرف رجوع فرمائیں۔

لیکن جب تاریخ کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو عبداللہ ابن سبا کا وجود ہی مشکوک نظر آتا ہے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ عبداللہ بن سبا ایک فرضی اور افسانوی شخصیت ہے اور اس نام کا شخص حقیقت میں موجود ہی نہیں تھا چہ جائیکہ وہ مکتب تشیع کا بانی ہو۔ (دیکھیے کتاب عبداللہ بن سبا، تحقیق علامہ مرتضیٰ عسکری)

بالفرض اگر ہم اُسے فرضی انسان نہ سمجھیں تب بھی ہماری نظر میں وہ ایک گمراہ اور منحرف شخص تھا۔

□□□

# شیعیت کے مراکز

یہ نکتہ اہمیت کا حامل ہے کہ مکتب تشیع کا مرکز ہمیشہ ایران نہیں رہا بلکہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں ہی اس کے متعدد مراکز تھے جن میں کوفہ، یمن بلکہ خود مدینہ بھی شامل ہے۔ شام میں اُموی زہریلے پروپیگنڈے کے باوجود بھی شیعیانِ حیدرِ کرّار کے بہت سے مراکز موجود تھے۔ اگرچہ ان کی وسعت عراق میں موجو شیعہ مراکز کے برابر نہ تھی۔

مصر کی وسیع سرزمین میں بھی شیعیانِ حیدرِ کرّار کی مختلف جماعتیں آتی رہی ہیں یہاں تک کہ فاطمی خلفاء کے دور میں تو مصر کی حکومت بھی شیعیانِ حیدرِ کرّار کے پاس تھی۔ (1)

---

(1) بنی اُمیہ کے دور میں ملک شام میں شیعہ ہولناک دباؤ کا شکار تھے۔ عباسی دور میں بھی انھیں سکون نصیب نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ اُن میں سے بہت سے لوگ بنی اُمیہ اور بنی عباس کے زندانوں میں ہی اس دنیا سے چل بسے تھے۔ بعض لوگ مشرق کی طرف چلے گئے اور بعض مغرب کی۔ ادریس بن عبداللہ بن حسن مصر چلے گئے۔ وہ وہاں سے مراکش چلے آئے۔ مراکش کے شیعوں کی مدد سے انھوں نے ادریسی سلسلۂ حکومت کی بنیاد رکھی جو دوسری صدی کے آخر سے لے کر چوتھی صدی کے آخر تک باقی رہی اور مصر میں شیعوں کی ایک اور حکومت بنی۔ یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت امام حسین علیہ السلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہؑ کی اولاد کہتے تھے۔ مصر کے لوگوں میں ایک شیعہ حکومت کی تشکیل کے لیے آمادگی پا کر انھوں نے یہ کام کیا۔ چوتھی صدی ہجری سے باقاعدہ طور پر یہ حکومت تشکیل پائی۔ ⇦

اب بھی دنیا کے مختلف ممالک میں شیعہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ موجود ہیں مثلاً سعودی عرب کے مشرقی علاقے میں شیعوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے اور دیگر اسلامی فرقوں سے اُن کے اچھے تعلقات ہیں۔ اگرچہ اسلام کے دشمنوں کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ شیعہ مسلمانوں اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان اختلاف اور جھگڑے کی آگ بھڑکائیں اور دونوں فرقوں کو کمزور کردیں۔ بالخصوص آج جب کہ اسلام مادیت کے علَم بردار، مشرقی و مغربی طاقتوں کے مقابلے میں عالم گیر طاقت کے طور پر اُبھر رہا ہے اور دنیا کے لوگوں کو جو مادی تہذیبوں سے مایوس ہو چکے ہیں، اپنی طرف متوجہ کر رہا ہے۔ اسلام کے دشمنوں کی اُمیدوں کا سب سے بڑا سہارا یہ ہے کہ مسلمانوں کی طاقت کمزور کرنے اور دنیا میں اسلام کی تیزی سے بڑھتے ہوئے اثرات کو روکنے کے لیے مذہبی اختلاف پھیلائیں اور مسلمانوں کو آپس میں الجھا دیں۔ بے شک اگر تمام اسلامی فرقوں کے ماننے والے بیدار اور آگاہ ہیں تو اس خطرناک سازش کا خاتمہ کرسکتے ہیں۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اہلِ سنت کی طرح شیعوں کے بھی متعدد فرقے ہیں لیکن سب سے مشہور اور معروف شیعہ اثنا عشری ہیں جن کی تعداد

---

☆ انھوں نے قاہرہ شہر کی بنیاد رکھی۔ فاطمی خلفاء کی تعداد ۱۴ ہے۔ ان میں سے دس خلفاء کا مرکزِ حکومت مصر تھا۔ تقریباً تین صدیوں تک انھوں نے مصر، افریقہ اور دوسرے علاقوں پر حکومت کی۔ مسجد جامع الازہر اور الازہر یونیورسٹی انھوں نے بنائی تھی۔ فاطمیوں کا نام حضرت فاطمہؑ سے ماخوذ ہے۔ (دائرۃ المعارف دہ خدا، دائرۃ المعارف فرید وجدی، المنجد لفظ قلم وزہرا)

شیعیان جہان میں سب سے زیادہ ہے۔ اگرچہ شیعوں کی صحیح تعداد اور دنیا کے مسلمانوں میں ان کا تناسب واضح نہیں ہے لیکن کچھ اعداد و شمار کے مطابق ان کی تعداد بیس کروڑ سے لے کر تیس کروڑ کے لگ بھگ ہے جو دنیا کی مسلم آبادی کا ایک چوتھائی حصّہ ہے۔

□□□

# اہلِ بیتؑ کی میراث

مکتب تشیع کے پیروکاروں نے آئمہ اہلِ بیت علیہم السلام کے ذریعے رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی احادیث نقل کی ہیں۔ انھوں نے حضرت امام علی علیہ السلام اور دوسرے ائمہ طاہرین علیہم السلام سے بھی بہت زیادہ روایات نقل کی ہیں جو آج شیعی تعلیمات اور فقہ کی بنیادی ماخذ میں سے ایک ماخذ ہیں۔ اُن احادیث پر مشتمل کتابوں میں چار کتابیں مشہور ہیں:

① اصولِ کافی ③ تہذیب

② من لایحضرہ الفقیہ ④ استبصار

لیکن اِس بات کو دُہرانا لازمی ہے کہ اِن مشہور ماخذ یا دوسرے ماخذ میں کسی حدیث کی موجودگی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ حدیث اپنی جگہ معتبر ہے بلکہ ہر حدیث کا ایک سلسلۂ سند ہے۔ سند میں مذکور ہر راوی کا جائزہ کتبِ رجال کی روشنی میں لیا جاتا ہے۔ اگر سند کے تمام راوی قابلِ اعتماد ثابت ہوں تو اُس وقت وہ حدیث ایک معتبر حدیث کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو وہ حدیث مشکوک یا ضعیف کہلائے گی۔ یہ کام صرف علمائے حدیث اور رجال کے بس کی بات ہے۔

اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ شیعہ کتب میں احادیث کی جمع آوری کا طریقۂ کار اہلِ سنت کے معروف ماخذ سے مختلف ہے کیونکہ مشہور کتب

صحاح خصوصاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ان کے مؤلفین کی روش یہ رہی ہے کہ وہ ایسی احادیث جمع کریں جو اُن کے نزدیک صحیح اور معتبر ہوں۔ اسی وجہ سے اہلِ سنت کے عقائد تک رسائی کے لیے اُن میں مذکور احادیث سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ شیعہ محدثین کا موقف یہ رہا ہے کہ اہلِ بیتؑ سے منسوب تمام احادیث اکٹھی کردی جائیں۔ پھر صحیح اور غیر صحیح احادیث کی پہچان کا کام علمائے رجال کے سپرد کردیا جائے۔ (غور فرمایئے)

□□□

# دو پُرعظمت کتابیں

شیعوں کے اہم ماخذ جو اُن کے عظیم ورثے کا حصّہ محسوب ہوتے ہیں میں سے ایک نہج البلاغہ ہے جس میں تقریباً ایک ہزار سال قبل سیّد شریف رضی مرحوم نے حضرت امام علی علیہ السلام کے کلام، خطبات، خطوط اور مختصر اقوال کو جمع کیا۔ اس کتاب کے مضامین اِس قدر بلند اور اُس کے الفاظ اس قدر خوب صورت ہیں کہ کسی بھی مکتب کا پیروکار جب اس کتاب کا مطالعہ کرتا ہے تو اُس کے بلند مفاہیم سے متاثر ہو جاتا ہے۔

اے کاش! کہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی اس سے آشنا ہوتے تاکہ وہ توحید، مبدا اور معاد کے علاوہ اخلاقی، سیاسی اور معاشرتی مسائل کے بارے میں اسلام کی عظیم تعلیمات سے آگاہ ہوتے۔

اِن عظیم ورثوں میں سے ایک اور عظیم ورثہ صحیفۂ سجادیہ ہے جو بہترین فصیح ترین اور خوب صورت ترین دعاؤں کا مجموعہ ہے جو عمیق اور بلند و بالا معانی پر مشتمل ہے۔ صحیفۂ سجادیہ حقیقت میں نہج البلاغہ والا کردار ایک دوسرے انداز میں انجام دے رہا ہے۔ اس کے ایک ایک جملے میں انسان کے لیے ایک جدید ترین درس پوشیدہ ہے۔ حقیقت میں یہ کتاب خدا کے حضور ہر انسان کو دعا اور مناجات کرنے کا سلیقہ سکھاتی ہے اور انسانی روح اور دل کو نُورانیت اور پاکیزگی عطا کرتی ہے۔ جس طرح کہ اس کتاب کے نام سے واضح ہے کہ یہ کتاب شیعوں

کے چوتھے تاجدار امامت حضرت امام علی بن الحسینؑ جن کا لقب ''سجاد'' ہے کی دعاؤں پر مشتمل ہے۔

جب بھی ہم اپنے اندر دُعا کی روح اور خدا کی طرف زیادہ توجہ اور اُس کی ذات والاصفات سے عشق وعلاقہ پیدا کرنا چاہتے ہیں تو یہ دُعائیں پڑھتے ہیں اور اُس نوخیز پودے کی طرح جو موسمِ بہار کے بابرکت بادلوں سے سیراب ہوتا ہے۔اس طرح ہم اس کتاب سے سیراب ہوتے ہیں۔

شیعہ احادیث کہ جن کی تعداد دسیوں ہزار ہے کا بیشتر حصہ پانچویں تاجدار امامت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہیں۔ بہت سی احادیث آٹھویں امام حضرت علی رضا علیہ السلام سے بھی مروی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان ہستیوں کو زمان ومکان کے حوالے سے ایسا ماحول ملا کہ جس میں ان پر دشمنوں اور اُموی وعباسی حکمرانوں کا دباؤ کم تھا۔ اس وجہ سے یہ ہستیاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت ساری احادیث جو اُن تک اپنے آباؤاجداد کے ذریعے پہنچی تھیں بیان کرنے میں کامیاب ہوئیں۔

یہ احادیث اسلامی فقہ کے تمام ابواب سے متعلق تھیں۔ مذہب شیعہ کو مذہب جعفری کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس کی اکثر روایات چھٹے امام حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور میں بنی اُمیہ کی حکومت کمزور ہو چکی تھی اور بنوعباس کو ابھی تک لوگوں پر دباؤ ڈالنے کی طاقت حاصل نہیں ہوئی تھی۔

ہماری کتب میں موجود ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے حدیث، معارف اور فقہ کے میدانوں میں چار ہزار شاگردوں کو تربیت دی تھی۔ مذہب

حنفی کے مشہور امام ابوحنیفہ نے ایک مختصر جملے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا تعارف کچھ اس طرح پیش کیا:

مَا رَأَیْتُ اَفْقَهَ مِنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّد

"میں نے جعفرؑ بن محمدؑ سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا"۔ (تذکرۃ الحفاظ ذہبی، ج ۱، ص ۱۶۲)

اہلِ سنت کے ایک اور امام مالک بن انس کا کہنا ہے: "میں کچھ عرصے تک جعفرؑ بن محمدؑ کے حضور آتا جاتا رہا۔ میں نے انھیں ہمیشہ تین حالتوں میں سے ایک میں ضرور پایا: • نماز کی حالت میں • روزے کی حالت میں • قرآنِ مجید کی تلاوت کرتے ہوئے"۔

میرے عقیدے کے مطابق علم و عبادت کے حوالے سے کسی نے جعفرؑ بن محمد الصادقؑ سے بڑھ کر کسی شخص کو نہیں دیکھا اور نہ کسی کے بارے میں سنا ہے۔

یہ کتاب ایک مختصر کتاب ہے اس میں اختصار کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ لہٰذا ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام کی شان میں دوسرے علماء اسلام کا تبصرہ شامل نہیں کیا گیا۔

□□□

# شیعیانِ حیدرِ کرّار اور علومِ اسلامی

ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلامی علوم کو وجود بخشنے میں شیعوں کا بہت بڑا کردار رہا ہے۔ بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ شیعہ علوم، علومِ اسلامی کا سرچشمہ ہیں۔ یہاں تک کہ اس سلسلے میں کتاب یا کتابیں لکھی گئی ہیں اور ثبوت پیش کیے گئے ہیں۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ کم از کم ان علوم کو وجود میں لانے کا اُن کا بہت بڑا حصّہ ہے۔ اس بات کی سب سے بڑی دلیل وہ کتابیں ہیں جو شیعہ علماء نے مختلف اسلامی علوم اور فنون کے بارے میں لکھی ہیں۔ فقہ اور اصولِ فقہ میں ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں کچھ بہت زیادہ مفصل اور بے نظیر ہیں۔ شیعیانِ حیدرِ کرّار نے تفسیر اور قرآنی علوم میں بھی ہزاروں کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں بہت سی کتابیں اب بھی ہماری لائبریریوں اور دنیا کی مشہور لائبریریوں میں موجود ہیں جو دنیا کے سامنے ہیں۔ ہر شخص ان لائبریریوں کی طرف رجوع کرکے اِس دعوے کی صداقت کا مشاہدہ کرسکتا ہے۔ ہمارے ایک مشہور عالمِ دین نے اِن کتابوں کی فہرست مرتب کی ہے اور یہ فہرست چھبیس ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ فہرست دسیوں سال پہلے مرتب ہوئی تھی۔ آخری عشروں کے دوران ایک طرف سے گزشتہ شیعہ علماء کے عملی آثار کو زندہ کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اُن کی قلمی اور شائع شدہ کتابوں کو جمع کرنے کی بڑی کاوشیں ہوئی ہیں۔

دوسری طرف جدید کتابوں کی تصنیف وتالیف کے میدان میں محققین کے

ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ہزاروں نئی کتابیں رشتۂ تحریر میں لائی جاچکی ہیں۔ اگرچہ ان کتابوں کے اعداد و شمار کے بارے میں ہم نے کوئی محتاط فہرست مرتب نہیں کی ہے۔ ①

## صداقت اور امانت

ہمارا عقیدہ ہے کہ صداقت اور امانت اسلام کے اہم اور بنیادی ارکان میں سے ہیں۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (سورۂ مائدہ: آیت ۱۱۹)

"آج وہ دن ہے کہ جس دن سچوں کی سچائی انھیں فائدہ پہنچائے گی"۔

بلکہ قرآنِ کریم کی بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن حقیقی جزا وہ ہے جو انسانوں کو سچائی اور صداقت یعنی ایمان، خدا کے ساتھ کیے گئے وعدوں پر عمل اور زندگی کے تمام شعبوں میں صداقت اور سچائی کے بدلے میں عطا کی جائے گی۔

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ (سورۂ احزاب: آیت ۲۴)

"تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کی جزائے خیر دے"۔

---

① اس کتاب کا نام الذریعہ الی تصانیف الشیعہ ہے۔ اس کے مصنف مشہور مفسر اور محدث آقا بزرگ تہرانی ہیں۔ اس عظیم فہرست میں کتابوں کا تذکرہ ہے۔ ان کتابوں کے مصنفین کے نام اور پتے اور احوالِ زندگی موجود ہیں۔ ان مصنفین کی تعداد ۶۸ ہزار ہے۔ یہ کتاب کافی عرصہ پہلے چھپ کر منظرِ عام پر آچکی ہے۔

جس طرح اِس سے قبل اشارہ کیا جاچکا ہے کہ قرآن کے حکم کے مطابق ہم سب مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ ہم زندگی بھر معصومین علیہم السلام اور سچوں کے ساتھ رہیں اور اُن کی ہمراہی اختیار کریں۔

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ○ (سورۂ توبہ: آیت ۱۱۹)

"اے صاحبانِ ایمان! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہوجاؤ"۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۸۰)

"اور یوں کہیے پروردگارا! تو مجھے ہر مرحلہ میں سچائی کے ساتھ داخل کر اور سچائی کے ساتھ اُس سے نکال"۔

اِس موضوع کے پیشِ نظر ہی خداوند تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ خدا کو حکم دیا کہ وہ خدا سے ہر کام کو صداقت کے ساتھ شروع کرنے اور صداقت کے ساتھ اُس سے فارغ ہونے کی توفیق طلب کرے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَمْ یَبْعَثْ نَبِیًّا اِلَّا بِصِدْقِ الْحَدِیْثِ وَاَدَاءِ الْاَمَانَةِ اِلَی الْبَرِّ وَالْفَاجِرِ

"اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا مگر یہ کہ اس کے بنیادی لائحۂ عمل میں صداقت، سچائی اور امانت شامل

تھیں"۔(بحارالانوار، ج ۷۴، ص ۱۰۴۲)

ہم نے بھی اِن آیات اور روایات کی روشنی میں اپنی بھرپور کوشش کی ہے۔اس بات پر صرف کی ہے کہ اِس کتاب کے مباحث میں صرف اور صرف صداقت وسچائی کا راستہ اختیار کریں۔اور کوئی ایسی بات نہ کریں جو حقیقت اور امانت داری کے منافی ہو۔اُمید ہے کہ خداوند تعالیٰ کے لطف وکرم سے ہم اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے میں خدا کی توفیق حاصل کرچکے ہوں گے۔

اِنَّہٗ وَلِیُّ التَّوفِیق

# حرفِ آخر

اِس کتاب میں مذکورہ باتیں اسلام کے اُصول و فروع کے بارے میں اہلِ بیتؑ رسولؐ کے عقیدت مندوں اور اُن کے شیعوں کے عقائد کا خلاصہ ہے۔

یہ تمام عقائد کسی کمی بیشی اور تحریف کے بغیر بیان ہوئے ہیں۔ قرآنی آیات، اسلامی روایات اور علمائے اسلام کی مختلف کتابوں سے ثبوت بھی اجمالی طور پر فراہم کردیے گئے ہیں۔ اگرچہ ابحاث کے اختصار اور تلخیص کے پیشِ نظر شواہد اور دلائل کو پیش کرنا ممکن نہ تھا۔ اس کتاب میں ہمارا مقصد بھی اجمالی طور پر اختصار کے ساتھ مطالب کو بیان کرنا تھا۔

## نتائج

ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ کتاب مندرجہ ذیل نتائج کی حامل ہے:

① مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ یہ کتاب شیعہ عقائد کو واضح اور مؤثر انداز میں بیان کرتی ہے۔ تمام اسلامی فرقے یہاں تک کہ غیر مسلم بھی اس مختصر سے کتابچے کا مطالعہ کر کے شیعہ کتب کے عقائد سے براہِ راست اجمالی طور پر آگاہ ہوسکتے ہیں۔

② ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ کتاب ان لوگوں کے لیے اتمامِ حجت کا باعث ہوسکتی ہے، جو کسی بات کو سمجھے اور جانے بغیر ہمارے عقائد کے متعلق فیصلہ

کرتے ہیں۔ نیز مشکوک اور مفاد پرست افراد غیر معتبر کتابوں سے ہمارے عقائد لیتے ہیں اور ہمارے خلاف غلط پروپیگنڈا کرتے ہیں۔

۳ ہمارا عقیدہ ہے کہ مذکورہ بالا عقائد کے مطالعہ کی روشنی میں اس مکتب کے ماننے والوں اور باقی اسلامی فرقوں میں اتنا بڑا اختلاف نہیں ہے جو اس فرقے اور باقی اسلامی فرقوں کے درمیان مشترکہ تعاون کی راہ میں رکاوٹ بنے کیونکہ تمام اسلامی فرقوں کے درمیان مشترکہ نکات بہت زیادہ ہیں اور سب کو مشترکہ دشمنوں کا سامنا ہے۔

۴ ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلامی فرقوں کے اختلافات کو ہوا دینے اور اُن کے درمیان جنگ اور خونریزی کی آگ بھڑکانے کے لیے خفیہ ہاتھ کام کر رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اسلام جو اس دور میں دنیا پر چھا رہا ہے اور کمیونزم کی بربادی سے پیدا ہونے والے خلا کو پُر کرنے والا ہے۔ نیز سرمایہ دارانہ نظام کی روز بروز بڑھتی ہوئی حل نہ ہونے والا مادی مشکلات کو حل کرنے والا ہے، کو کمزور کریں۔ تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے دشمنوں کو اِس بات کی اجازت نہ دیں کہ وہ اس کام میں کامیاب ہوں اور قیمتی موقع ہاتھ سے جاتا رہے جو دنیا میں اسلام کی شناخت کے لیے اُن کے ہاتھ آیا ہے۔

۵ ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر اسلامی فرقوں کے علماء اکٹھے ہوجائیں اور محبت وخلوص سے معمور ماحول میں ہر قسم کے تعصب اور ہٹ دھرمی کو بالائے طاق رکھ کر اختلافی مسائل پر بحث وگفتگو کریں تو ان اختلافات کے کم ہوجانے کا بہت زیادہ امکان ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ سارے اختلافات ختم

ہو جائیں گے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اس طریقے سے اختلافات میں کمی آئے گی۔ جس طرح کچھ عرصے پہلے ایران کے بعض شیعہ اور سُنّی علماء زاہدان نامی شہر میں متعدد دفعہ مل بیٹھے اور اس طرح انھوں نے اپنے بعض اختلافات کا خاتمہ کردیا۔ تفصیلات کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ (پیام حوزہ علمیہ، قم)

آخر میں ہم خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کے لیے ہاتھ بلند کرتے ہیں اور عرض گزار ہیں:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○ (سورۂ حشر: آیت ۱۰)

"خدایا! ہمیں معاف فرما اور ہمارے اُن بھائیوں کو بھی جنھوں نے ایمان میں ہم پر سبقت حاصل کی اور ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں کے لیے کسی قسم کا کینہ قرار نہ دینا۔ ہمارے پروردگار! بے شک تو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے"۔



ادارہ منہاج الصالحین لاہور